مؤمنینِ اہلِ سنّت کو اسلامی سالِ نو مُبارک

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
جون ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قلت و کثرت حق و باطل کا معیار نہیں

حق و باطل کے معاملے میں انسانوں کی قلت و کثرت معیار نہیں۔ گمراہی و حق فراموشی کے ایسے اوقات بھی آ جاتے ہیں کہ نوع انسانی کی اکثریت حق و یقین کی روشنی سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی دور نزول قرآن کے وقت بھی دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ گمراہوں کی کثرت نہ دیکھو، یہ دیکھو کہ کون سی راہ یقین اور بصیرت کی راہ ہے اور کون سی جہل و گمان کی۔۔۔۔!

(ابوالکلام آزاد)
رسول رحمت ﷺ
صفحہ ۱۱۹

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان
رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۷۵۵

محرم الحرام ۱۴۱۶ھ جون ۱۹۹۵ء
جلد ۶، شمارہ ۶ قیمت ۱۰/- روپے

زیر سرپرستی
حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

مجلس ادارت
رئیس التحریر:
سید عطاء المحسن بخاری
مدیر مسئول:
سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر
مولانا محمد عبدالحق مدظلہ
حکیم محمود احمد ظفر مدظلہ
ذوالکفل بخاری ۰ قمرالحسنین
شمس الاسلام بہلوی ۰ ابوسفیان تائب
محمد عمر فاروق ۰ عبداللطیف خالد
خادم حسین سید خالد مسعود

زرتعاون سالانہ
اندرون ملک ۱۰۰/- روپے ۰ بیرون ملک ۱۰۰۰/- روپے پاکستانی

رابطہ
دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱

تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، مقام اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان

آئینہ

اداریہ:	دل کی بات	مدیر	۳
قلم برداشتہ:	حکمراں ہے بس وہی باقی بتان آذری	سید عطاء المحسن بخاری	۶
نقطۂ نظر:	پاکستان میں مذہبی سیاست کا مستقبل...؟	محمد رفیق اختر	۹
افکار:	ارشاد حسینؓ	ادارہ	۱۱
افکار:	سیدنا حسین کے قاتل کون؟	"	۱۲
تاریخ و سیرت:	شہید غیرت حضرت حسینؓ بن علیؓ	مولانا عبدالعلی فاروقی	۱۳
تحقیق:	سائنسی علوم میں مسلمانوں کے انحطاط کی وجوہات	حکیم محمود احمد ظفر	۲۸
دین و دانش:	دو بزرگ صحابی	شاہ بلیغ الدین	۴۲
جگ بیتی:	قلم قتلے	دیدہ ور	۵۰
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات انکی	ساغر اقبالی	۵۲
شاعری:	نعت	پروفیسر عابد صدیق	۵۶
" :	غزل	سید ابو معاویہ ابوذر بخاری	۵۷
" :	غزل	خالد شبیر احمد	۵۸
تبصرہ کتب:	حسن انتقاد	سید ذوالکفل بخاری	۵۹

تحفظ ناموس رسالت کے لئے ملک گیر ہڑتال

۲۷ مئی کو پاکستان کے عوام نے قانون تحفظ ناموس رسالت میں مرکزی کابینہ کی ترمیم کے خلاف تاریخی ہڑتال کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان کے تمام طبقات ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے متحد و مستعد ہیں اور یہاں قانون تحفظ ناموس رسالت میں کوئی بھی ترمیم قبول نہیں کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی خوش آئند ہے کہ پنجاب اسمبلی میں مرکزی کابینہ کی اس ترمیم کے خلاف قرار داد منظور کر لی گئی ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ حکمران وقت کے تیور پڑھیں اور ایسی کوئی حماقت نہ کریں جس سے عوام میں لاقانونیت کا جذبہ پیدا ہو۔ حکومت کو نہ صرف تحفظ ناموس رسالت قانون میں کی گئی ترمیم واپس لینی چاہیئے بلکہ اس قانون پر عمل در آمد کے طریقہ کار کو یقینی بنانا چاہیئے۔ حکمرانوں کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اگر پاکستان میں حضور ﷺ کی عزت و ناموس محفوظ نہ رہی تو پھر نہ حکومت رہے گی اور نہ ملک۔ دونوں اللہ کے عبرتناک عذاب کے شکار ہوں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم کو اپنی کابینہ کے دو منہ پھٹ وزیروں کے منہ میں لگا دینی چاہیئے جو نہایت غلیظ متعفن اور گمراہ کن بیانات دیکر قوم کے جذبات کو مجروح کر رہے ہیں۔ خصوصاً شیر افگن اور نصیر اللہ بابر تو بہت بد زبان اور بد تمیز ہو گئے ہیں۔ علماء کے خلاف یہ وزیر جو زبان استعمال کر رہے ہیں وہ کسی شریف شہری کی زبان ہر گز نہیں ہو سکتی۔ ایسے ہی وزیر ہوتے ہیں جو حکومتوں کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ حکومت انہیں باندھ کے رکھے۔ اگر یہ یونہی کھلے رہے تو ایک دن اپنے ہی ساتھیوں کو بھونکنے اور کاٹنے لگیں گے۔

قادیانیوں اور عیسائیوں کی طرف سے ہڑتال کی مخالفت

۲۷ مئی کی ملک گیر ہڑتال میں صرف دو طبقوں نے حصہ نہیں لیا۔ اور بھرپور مخالفت کی۔ اخباری خبر کے مطابق عیسائیوں نے ہڑتال کی مکمل مخالفت کی ہے اور دوسری خبر کے مطابق قادیانیوں کے مرکز ربوہ میں تمام بازار کھلے رہے اور قادیانیوں نے ہڑتال میں حصہ نہیں لیا۔ قادیانیوں کے اس عمل سے ہمارے اس دعویٰ کو تقویت ملی ہے کہ توہین رسالت کے اصل مجرم قادیانی ہیں اور انہوں نے اپنے تحفظ کے لئے عیسائیوں کا سہارا لے رکھا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ قادیانی کھل کر سامنے

آگئے ہیں اور اپنے عمل سے علامہ اقبال کے اس دعوی کی تائید کی ہے کہ "قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں۔"

وہ نام نہاد مسلمان جو لبرل ازم، سیکولرازم یا رواداری کا درس دیکر کادیانیوں کا تحفظ کرتے ہیں۔ انہیں بھی اپنے بارے میں واضح فیصلہ کر لینا چاہیئے کہ وہ کس طرف ہیں۔ حضور علیہ السلام کے فرمانبرداروں کے ساتھ یا نبوت و رسالت کے دشمنوں کے ساتھ؟

کراچی کا مسئلہ

وزیر اعظم نے گزشتہ دنوں قصور میں جوشِ خطابت میں آکر اپنے مخالفوں کو جن سطحی الفاظ سے یاد کیا ہے وہ قابل افسوس ہے۔ انہوں نے ایم کیو ایم کی قیادت کو "بزدل چوہوں" کا نام دیا وزیر اعظم کا یہ انداز اپنی سیاسی شکست تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ان جذبات کے اظہار کے لئے انہوں نے قصور کے بارڈر کا انتخاب کیوں کیا؟ وہ ہندوستان کے حکمرانوں کو کیا تاثر دینا چاہتی ہیں؟ یہ سوالات ہر محب وطن شہری کے ذہن میں ابھر رہے ہیں۔ اس گفتگو کے رد عمل میں کراچی میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اسے ملک کی تباہی کے سوا دوسرا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ کراچی کا امن و سکون لٹ چکا ہے اور اب بات ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے۔ معصوم بچوں سے لیکر ضعیف بوڑھوں تک کسی شہری کی زندگی محفوظ نہیں رہی۔ اب گولی نہیں راکٹ لانچر استعمال ہو رہے ہیں۔ خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ اور مہاجر "راکٹس فرنٹ" نے بم دھماکوں اور تخریبی کاروائیوں کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے "ایک کے بدلے دس" کی دھمکی دی ہے۔ ادھر ڈاکٹر عمران فاروق نے ایک بیان میں کہا ہے کہ

"ہمیں زبردستی غدار کیا جا رہا ہے۔ اب ہم اپنی مدد کے لئے یو این کو بلانے میں حق بجانب ہیں۔"

ایک طرف یہ حالات ہیں اور ملک بے سکونی اور عدم تحفظ کی تاریکی میں ڈبکیاں لے رہا ہے تو دوسری طرف حکمران عقل و شعور سے عاری ہو کر اور جوش انتقام سے مغلوب ہو کر محض شخصی مفادات کی جنگ کر رہے ہیں۔ مہنگائی روز افزوں ہے۔ معیشت تباہ و برباد، صنعت کاری کا بیڑہ غرق۔ اخلاق کا جنازہ ملکی دولت کا بے جا اسراف، خزانے کا دیوالیہ اور اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہے۔ حالت یہ ہے کہ وزیر اعظم کے دورہ امریکہ پر صرف ۳۵ کروڑ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ کیا یہ ملک بچانے کی باتیں ہیں یا تباہ و برباد کرنے کی؟

اس صورتِ حال میں حکمرانوں کو عقل و شعور سے کام لینا چاہیئے۔ ایم کیو ایم پاکستان کے شہریوں کی سیاسی جماعت ہے۔ اس کے ساتھ ریاستی اور حکومتی ٹکراؤ مسائل کا حل نہیں۔ اس سے نہ صرف مسائل مزید بڑھیں گے بلکہ ملک کی بقاء بھی معرضِ خطر میں پڑ جائے گی۔

● یہ مسائل مذاکرات سے ہی حل ہوں گے اور افہام و تفہیم کے جذبہ سے طے ہوں گے۔ حکومت انتظام کی بجائے مذاکرات کے ذریعے کراچی کا امن و سکون بحال کرے۔ اور ملک کے حال پر رحم کرے۔

اہم اعلان

بانی جمعیت المجاہدین، مجدد جہاد حضرت مولانا محمد مسعود علوی شہید (ابن حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ) کی سراپا جہد و آزمائش اور دعوت و جہاد میں مصروف زندگی پر ایک مستقل کتاب انشاء اللہ عنقریب شائع کی جا رہی ہے۔

مولانا شہید سے تعلق رکھنے والے مجاہدین، علماء کرام، طلباء اور متوسلین سے درخواست ہے کہ وہ اپنی یادوں کے حوالہ سے تحریری تعاون فرمائیں۔ اگر کسی کے پاس دستاویزی ریکارڈ یا مولانا شہید کی اپنی تحریرات، خطوط وغیرہ موجود ہوں تو اصل یا فوٹو سٹیٹ بھجوا کر ممنون فرمائیں، اصل مسودہ بعد استفادہ واپس کر دیا جائے گا۔

عنوان مراسلت: حافظ احمد معاویہ (تلمیذ مولانا شہید)

دار العلوم ختم نبوت، جامع مسجد بلاک نمبر ۱۲..... چیچاوطنی ضلع ساہیوال۔

مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی

مہم تیز کیجئے۔

اور ماتحت شاخیں مقامی انتخابات جلد مکمل کر کے

مرکز کو ارسال کریں۔

(مرکزی ناظم نشر و اشاعت)

سید عطاء المحسن بخاری

''حکمراں ہے بس وہی باقی بتان آذری''

جمہوریت کا راگ الاپنے والے نقلچی اور طبلچی ہمارے ملک میں بہت ہیں۔ ان کے نام شمار نہیں کئے جا سکتے۔ حادثہ یہ ہوا ہے کہ جمہوریت کے نام لیواؤں میں "پانچواں سوار" جماعت اسلامی بھی شامل ہے اور ایک طویل عرصے سے شامل ہے۔ اسی کی دیکھا دیکھی بلکہ "ریسو دیسی" مولویوں کا خرانگ مع عذرلنگ جمہوریت کی اس کالی آندھی میں راستہ بھٹک کے جارج واشنگٹن اور ابراہم لنکن کے نقوشِ پا پہ چلا جا رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں جماعت اسلامی نے اس سمت میں رینگنا شروع کیا تو ۶۲ء میں مولوی نے جمہوری بھیڑ بھاڑ میں گھسڑم گھسڑ ہونا سیکھا۔ نتیجہ دونوں میں سے کسی کے حق میں نہ نکلا۔ بلکہ "اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی"۔ عوام کالانعام نے اپنے حیوانی جذبوں، رویوں اور تقاضوں کے جنگلی بھینسے کھلے چھوڑ کر اپنے سوشل اینیمل ہونے کا یقین دلا دیا اور "مولوی" کو بہت بڑا سبق دینے کی کوشش کی کہ مولوی صاحب! کہیں رہ کہ تو می روی بہ نیویارک است۔۔۔۔۔۔۔ یا بہ "کافرستان" است! اور کافرستان کا راہی کبھی بھی کعبۂ ابراہیمی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ پہنچنا تو در کنار کعبۂ ابراہیمی کی طرف منہ بھی نہیں کر سکے گا۔ بلکہ تین خداؤں کے خدائی چکروں میں "چکورتی" بن کے سکنڈے نیویا تو پہنچ جائے گا۔ جہاں سلمان رشدی یا تسلیمہ نسرین جیسے جمہوری فرزاندان و دختران اپنی خاک میں پیوند ہونے کیلئے پہنچے ہیں۔ تمہیں مکہ و مدینہ جانا ہے تو اسی راہ پر چلنا ہو گا جس راہ پر سیدنا حسنؓ چل کر واصل بحق ہوئے۔ اپنی جان دے دی مگر امت کی جانوں کو محفوظ کر گئے۔ خود مٹ گئے مگر امت کو مٹنے سے بچا لیا۔

آج کا جمہوری جانور خود مال بناتا ہے، امت کو لوٹتا ہے۔ خود حرام کھاتا، پیتا، پہنتا ہے اور عوام کو طعمہ دیتا ہے کہ۔۔۔۔ "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام پر"! مشاہدہ یہ ہے کہ عوام پر ہمیشہ حکومت ان خواص نے کی ہے جو شراب، زنا، جوئے، سود، سور، جھوٹ، فریب، مکر، جعل سازی، لوٹا سازی، بلیک مارکیٹنگ، فراڈ، غبنِ فاحش اور اقتدار کی خبیث طاقت سے مرصع و مزین ہوں اور اس پر طرّہ ان کی ملک گیر، عالمگیر اور گردوں گیر جہالت ہے۔ اسی جہالت کے بل بوتے پر یہ نجس اور نحس خواص اپنے اخباری بیانوں، تقریروں، سیمیناروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کرتے ہیں کہ جمہوریت اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اسلام، اللہ نے نازل فرمایا اور جمہوریت افلاطون نے مرتب کی۔ افلاطون تو یونان کے فلاسفہ میں مشرک اعظم ٹھہرا۔ مگر یہ حرافہ جمہوریت کسی مسلمان نے بھی تو مرتب نہیں کی کہ اس کے ڈانڈے اسلام سے ملتے ہوں۔ آدم علیہ السلام سے لیکر ۱۸۸۰ء تک کسی مسلمان نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔ نہ اسے معمول بنایا نہ اسے زندگی کے حسین اسلامی اصولوں کا جز بنایا۔ یہ ایک مشرک کی ایجاد تھی، مشرکوں نے ہی اسے قبول کیا، کافروں نے اسے ذہن انسانی کی معراج سمجھ کر حرزِ جان بنا لیا۔ برطانیہ کے سفید کافروں نے سب سے پہلے حسن جمہوریت کو

خراج عقیدت پیش کیا مگر ان کے خراجِ بدمزاج سے آئرلینڈ کو ساڑھے آٹھ سو برس میں ماش کے دانے کی سفیدی کے برابر بھی حصہ نہ مل سکا۔

جن فرزندان ڈیموکریسی اور سفید کافروں نے اپنے کافر بھائیوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے وہ مسلمانوں کو کیا دیں گے؟ اور ان کے لئے کونسی امثال و نظائر قائم کریں گے؟ مسلمانوں کا جمہوریت کے تشکیلی و تزئینی عمل میں کوئی حصہ ہوتا تو انہیں ضرور اس کا ثمر اور کریڈٹ ملتا۔ مسلمانوں کا کافرانہ نظریۂ ریاست میں حصہ۔۔۔؟ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کافر کی طرف سے آخرت میں حصہ کا مطالبہ! یا کافر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا مطالبہ! کافر سے اہل بیت و صحابہ کو ماننے کا مطالبہ! جس طرح کفار سے اسلام کے بنیادی عقائد ماننے کا مطالبہ غیر فطری ہے اسی طرح کفار سے مسلمانوں کیلئے خیر کا مطالبہ بھی غیر فطری ہے۔ اسی لئے جب بھی جمہوریت کے اصول ومقاصد کی بات ہوتی ہے تو کفار و مشرکین ہی اس کی سند بنتے ہیں۔ مثلاً افلاطون، ارسطو، روسو، ہیگل، جارج واشنگٹن، ابراہم لنکن ایسے سرخ و سفید کفار و مشرکین ہی سند ہیں۔ اگر اس "ڈھڈو" جمہوریت کا اسلام سے کوئی فکری و عملی رشتہ ہے تو نبی، آل نبی اور اصحاب نبی اس کا حوالہ کیوں نہیں بنتے۔ جمہوریت کا اسلام سے سب سے بڑا تصادم ہی یہ ہے کہ اس میں قوتِ مقتدرہ، اقدار، ہئیت اقدار (لفظوں کی حد تک) عوام کو سونپ دیئے جاتے ہیں۔ مگر اسلام میں یہ تمام اللہ کی صفات ہیں۔ اللہ قادر، قدیر، مقتدر، جبار، احکم الحاکمین اور ملک و مالک ہے۔ ان صفات عالیہ کو اللہ جل جلالہ نے صرف اپنے لئے ہی مخصوص فرمایا ہے۔ اور عقیدہ و عمل میں اس کو جاری وساری کرنے کا مطالبہ بھی فرمایا ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے بس وہی باقی بتان آذری

جمہوریت کا اسلام سے دوسرا بڑا تصادم آزادئ رائے کا ہے۔ اسلام رائے کو پابند کرتا ہے، اسے ایک خاص رستہ اور خاص منزل دیتا ہے۔ اسی پر چلنے کا پابند کرتا ہے اور پابندی کی خلاف ورزی قابل تعزیر سمجھتا ہے۔ مگر جمہوریت میں انسان کو ہر کھیتی میں چرنے، ہر چار دیواری میں گھس جانے اور ہر مکان میں جھانکنے اور ہر برتن میں منہ مارنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اختیار بھی ہے۔ عوام اگر سب کچھ خود کر سکتے تو قرآن نازل نہ ہوتا، نبی کریم مبعوث نہ ہوتے۔

قرآن کریم میں ہے:

قُل لو شآءَ اللہُ مَاتَلوتُہ عَلَیکُم وَلَا اَدرٰکُم بِہ فَقَد لَبِثتُ فِیکُم عُمراً مِن قَبلِہ اَفَلَا تَعقِلُون

(اے نبی) کہہ دیجئے اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں قرآن ہی نہ سناتا اور تمہیں اس سے خبردار ہی نہ کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ہوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملے سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟
(یونس: آیت ۱۶)

قرآن کا نزول ہدایت و رہنمائی اور نبی کا وجود راہ ہدایت اور راہ عمل متعین کرتا ہے۔ اعمال کی شکل بھی متعین کرتا ہے اور ایک عالیشان نقشہ بھی عطا کرتا ہے۔ پھر اس نقشے کے عین مطابق عمارت بھی بناتا اور اس عمارت کے بوسیدہ نہ ہونے کا یقین بھی دلاتا ہے اور بتلاتا ہے کہ انسانوں نے اگر زندگی کا لطف اور زندگی کی خوشیاں سمیٹنی ہیں تو سچے نبی کی زندگی کو اپنائیں۔ ۲۳ برس کی مجاہدہ، محنت، صبر، استقامت اور تبلیغ والی زندگی کو آئیڈیل بنائیں۔ صرف ایک خطبے (حجتہ الوداع) کو نہیں! پوری زندگی کے ہر ہر عمل کو اپنائیں۔

حقوق اور عقیدہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ عوام کو بنیادی، عوامی، حیوانی یا انسانی حقوق اگر درکار ہیں تو اس کے لئے بھی عوام کو قانون الہی کا پابند رہنا یا پابند بنانا اتنا ہی ضروری ہے جتنے حقوق!۔۔۔۔۔ جہاں قانون الہی کی نافرمانی ہوگی، اس کو پامال کیا جائے گا، حکومتی سرپرستی میں اس کی تذلیل کی جائے گی، عوامی سطح پر اس کی تکذیب کی جائے گی اور نظریاتی طور پر اس کا منہ چڑایا جائے گا تو

وَمَن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ

"ایسے لوگوں کی روزی تنگ کردی جائے گی اور انہیں قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا۔"

(طٰہٰ، آیت ۱۲۴)

یہی اللہ کے غضب و انتقام کی نشانی ہے۔ اب غور کیجئے کہ عوام کو بخشی گئی ڈیموکریٹک آزادی ہمیں کہاں لے جائے گی؟ ہماری کیا درگت بنائے گی؟ اس آزادی کی حشر سامانی سے کون کون تباہی کے غار میں دھکیل دیا جائے گا؟ قرآن کی غور و فکر کی دعوت دراصل انہی مفاہیم اور حقائق تک رسائی کی دعوت ہے۔ "حقوق" اور "عقیدے" میں تمیز کرنا بہت ضروری ہے ورنہ ہماری اور کفار و مشرکین کی سوچ میں فرق نہیں رہے گا۔ احوال میں فرق نہیں رہے گا اور انجام میں بھی فرق نہیں رہے گا۔

کاش ہم سوچیں!

کاش ہم قرآن پڑھیں!

کاش ہم نبی کی محبت کی بہار میں نبی کی ۲۳ برس کی حیات طیبہ کی خوشبو بھی شامل کرلیں!

کاش ایسا ہو!

واقعہ کربلا اور اس کا پسِ منظر

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

ایک نئے مطالعے کی روشنی میں

تحقیق کی دنیا میں علماء اور دانشوروں سے داد و تحسین وصول کرنے والی

نہایت متوازن اور مسلکِ حق کی ترجمان کتاب

قیمت 150 روپے

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی، ملتان۔

نقطۂ نظر
محمد رفیق اختر

پاکستان میں مذہبی سیاست کا مستقبل......؟

ہندوستان میں ۱۹۳۰ء کے بعد مجلس احرار اسلام نے زیادہ فعال طور پر مذہب کے ذریعے عوامی سیاست کی بنیاد ڈالی اور پھر اس کی آبیاری کے نتیجہ میں مذہب کی بنیاد پر تقسیم ملک کے نظریہ کو تقویت اور حمایت حاصل ہوتی چلی گئی۔

قیام پاکستان کے بعد اس نو زائیدہ مملکت کی فضا جماعت سازی کیلئے زیادہ سازگار ثابت ہوئی اور ایک رپورٹ کے مطابق اس وقت ملک میں دو سو سے زائد مذہبی و سیاسی جماعتیں قائم ہیں۔ ان میں سے جماعت اسلامی سمیت اکثر مذہبی جماعتیں اس فکر پر یقین رکھتی ہیں کہ صرف اور صرف قانون ساز اداروں اور حکومت پر کنٹرول کے ذریعے ہی معاشرہ کو اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ اس فلسفہ کے تحت مذہبی جماعتیں جمہوری سسٹم کے تحفظات کو قبول کرتے ہوئے انتخابی عمل کے ذریعے غلبۂ اسلام کیلئے کوشاں ہیں۔ جبکہ اس نظریہ پر بھی وسیع اختلاف موجود ہے کہ محض سٹیٹ پاور پر کنٹرول یا لوگوں کی نظریاتی تعلیم و تربیت سے آئیڈیل اسلامی معاشرہ کی تشکیل ممکن ہے؟

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے طویل مارشل لاء کے عہد میں اکثر مذہبی رہنماؤں کے تعاون و حمایت سے کئی اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ ان قوانین میں امتناعِ قادیانیت آرڈیننس، حدود آرڈیننس، قانون شہادت، قصاص و دیت آرڈیننس، قانون زکوٰۃ، نفع و نقصان کی بنیاد پر بنکاری وغیرہ کے قوانین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اب غربت کے خاتمہ کیلئے بیت المال کو بھی فنکشنل بنایا گیا ہے۔ لیکن ان تمام قوانین کے نفاذ سے سوسائٹی کو اسلامی بنانے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟ اور اس سے معاشرہ میں عام لوگوں کے رویہ اور نفسیات میں کیا مثبت تبدیلی آئی ہے؟

ہمارے ملک میں مجموعی طور پر ۸۰ فیصد ووٹ بنک چھوٹے کاشتکاروں اور خواتین پر مشتمل ہے جو عمل میں کمزور ہونے کے باوجود مذہبی رجحانات رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود موجودہ قومی اسمبلی میں تمام مذہبی جماعتوں کو صرف ۵ فیصد نمائندگی حاصل ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ لوگ علماء کو دینی فرائض کی ادائیگی میں رہنمائی پر عزت و تکریم کا مستحق سمجھنے کے باوجود سیاست میں ان پر اعتماد کرنے کیلئے کیوں تیار نہیں ہیں؟ غالباً اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ماضی میں اسلام کے نام پر بننے اور پھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے والے اتحادوں میں مذہبی جماعتیں اپنی "کریڈیبلٹی" کھو چکی ہیں۔ ثانیاً مذہبی جماعتوں کی طرف سے غربت، بیروزگاری، بدعنوانی، ناخواندگی، افراط زر، صحت، رہائش، بنیادی حقوق کے تحفظ اور موجودہ سیاسی نظام کی مکمل تبدیلی جیسے اہم بنیادی مسائل کو موضوع بنانے کی بجائے محض عورت کی حکمرانی کے شرعی جواز و عدم جواز کی بحث اور فرقہ وارانہ مسائل کو ترجیح دینا

ہے۔ جس سے عوامی حمایت کا گراف مسلسل گرتا جارہا ہے۔ آخری عام انتخابات کے نتیجہ میں ملک میں دو جماعتی نظام کی طرف پیش رفت کو بھی مقتدر قوتوں کی منصوبہ بندی اور شعوری کاوش کا کارنامہ قرار دیا جارہا ہے۔ جس کا مقصد سیاست میں مذہبی جماعتوں کے کردار کو محدود کرنا ہے۔ بنیادی طور پر دونوں جماعتیں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ عملاً سیکولر سیاست پر یقین رکھتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اس رویہ کے اظہار میں نسبتاً "بولڈ" ہے جبکہ مسلم لیگ مذہب کی آڑ میں سیاسی مفادات کے حصول کی روش پر کاربند ہے اور اس پالیسی کی تائید میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے اس فرمان کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے کہ

"نئی مملکت میں مذہب ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہوگا اور اقلیتوں سمیت ہر شخص کو اپنے مذہبی اعتقادات کے مطابق عمل کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔"

ان حالات میں مذہبی جماعتوں کے قائدین کا یہ فرض ہے کہ وہ صورت حال کا ادراک رکھتے ہوئے اپنے سیاسی کردار اور ماضی کی ناکامیوں کا تجزیہ کریں کہ اب تک اسلام کے نام پر سیکولر جماعتوں کے ساتھ انتخابی اتحادوں اور عوام کے حقیقی مسائل کو نظر انداز کر کے خود کو مذہبی مباحث تک محدود کرنے سے کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے؟ اس ماحول میں جمہوری نظام اور انتخابی سیاست کے ذریعے اسلامی انقلاب کے فلسفہ کو چھوڑ کر اگر فکری و نظری قدر مشترک کی بنیاد پر مذہبی جماعتیں مستقبل کیلئے کوئی لائحہ عمل تیار کرنے میں کامیاب ہو گئیں تو پھر شاید مستقبل میں کسی کامیابی کے امکان کی پیش گوئی کی جاسکے ورنہ محض خطبات میں فراست کو مومن کی میراث قرار دینے سے منطقی انجام سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ اور تارکِ عمل ہو کر محض دعاؤں کے ذریعے بلاؤں سے نجات کی امید خود فریبی کے مترادف ہو گی۔

احرار ختم نبوت سنٹر کی تعمیر

جدید مرکز احرار دارالعلوم ختم نبوت اور احرار ختم نبوت سنٹر بالمقابل مرکزی مسجد عثمانیہ، معاویہ چوک، ھاؤسنگ سکیم چیچا وطنی۔ کی تعمیر کا کام جاری ہے ضلع ساہیوال بالخصوص علاقہ چیچا وطنی کے ساتھی خصوصی توجہ فرمائیں۔

رابطہ:۔

دفتر احرار جامع مسجد بلاک نمبر۱۲ چیچا وطنی۔

ارشاد گرامی سیدنا حسین رضؓ

ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے!

- ابن زیاد — کے ہاتھ پہ — یزید کی بیعت —؟ تو خدا کی قسم! یہ بات میری موت کے بعد ہی ممکن ہے!
ہاں! اگر باعزت طریقہ سے معاملہ فہمی مقصود ہے تو پھر مدینہ کو واپسی یا سرحد پہ چلے جانے کے علاوہ تیسری صورت ہے
- مجھے یزید کے پاس جانے دو تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں. پھر وہ میرے متعلق جو مناسب سمجھے گا خود فیصلہ کرے گا. [البدایہ لابن کثیر. ج۸]
..... اور یا میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ میں رکھ دوں تو وہ میرے اور اپنے بارے میں جو مناسب ہو — رائے قائم کرے گا [تاریخ الامم والملوک للطبری ج۶ ص۲۳۵]
- سیدنا — حسینؓ سے پختہ روایت ہے: آپ نے کمانڈر کوفہ عمر بن سعدؓ سے فرمایا!
میری تین باتوں میں سے ایک پسند کرلو ① یا میں اس جگہ لوٹ جاتا ہوں جہاں سے آیا ہوں ② یا یہ کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ پر رکھ دوں جبکہ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے. تو وہ میرے متعلق اپنی رائے خود قائم کرے گا ③ یا پھر مجھے مسلمانوں کی سرحدات میں سے کسی سرحد کی طرف روانہ کردو تو میں وہیں کا باشندہ بن جاؤں گا. پھر جو نفع اور آرام وہاں کے لوگوں کو حاصل ہوگا وہی مجھے بھی مل جائیگا اور جو نقصان اور تکلیف وہاں کے لوگوں کو ہوگی وہی مجھے پہنچے گی.
[شیعوں کی معتبر کتاب — الشافی مع التلخیص ص۱۷۱ طبع ایران — تصنیف السید ابی القاسم علی بن الحسین بن موسیٰ بن محمد بن موسیٰ بن ابراہیم بن موسیٰ بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن زین العابدین علی الاوسط بن السبط سیدنا الحسین بن — سیدنا علی بن ابی طالب علیہم الرضوان]
- اے کاش! یہ شرائط نامہ طے ہو جاتا تو امت کو مظلومی حسینؓ کا روزِ غم دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نہ — یزید ہی کے لئے سب وشتم اور لعن طعن کا دروازہ کھلتا.!
بہرحال جناب سیدنا حسینؓ کا قول وعمل ہمارے لئے ایک دائمی درس عبرت وغیرت ہے.!
خدائے پاک ہمیں شہید کربلا کی سچی پیروی نصیب فرمائیں — آمین —!

خاتم الانبیاء والمعصومین سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی روشنی میں

سیدنا حسینؓ کے قاتل کون؟

۳۷۳ ـ الحسين بن محمد ، عن محمد بن أحمد النهدي ، عن معاوية بن حكيم ، عن بعض رجاله ، عن عنبسة بن بجاد ، عن أبي عبدالله عليه السلام في قول الله عزّ وجلّ : «فأمّا إن كان من أصحاب اليمين ☆ فسلام لك من أصحاب اليمين[٥]» فقال : قال رسول الله صلى الله عليه وآله لعلي عليه السلام : هم شيعتك فسلم ولدك منهم أن يقتلوهم

ترجمہ :-

خاتم المعصومین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰؓ سے فرمایا

"اے علیؓ اپنے بیٹوں کو اپنے شیعوں سے بچانا، وہ انہیں قتل کر دیں گے"

(معتبر شیعہ کتاب، کافی، صفحہ ۲۶۰ جلد ۸)

مولانا عبدالعلی فاروقی (لکھنؤ)

شہید غیرت حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت حسینؓ کی مظلومیت اتنی آشکار، اتنی واضح، اور اتنی تسلیم شدہ ہے کہ ان کے سلسلہ میں اس وضاحت کی چنداں حاجت نہیں ہے کہ تاریخ کی مظلوم شخصیتوں میں ان کا بھی ایک اہم مقام ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اگر اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی مظلوم شخصیت کے بارے میں استفسار کیا جائے تو مسلمانوں کی واضح اکثریت کی زبانوں پر حضرت حسینؓ ہی کا نام آجائے گا، اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے کہ قرن اول سے آج تک کے شہدائے اسلام میں جتنا کچھ حضرت حسینؓ اور ان کی شہادت کے بارے میں لکھا اور کہا گیا کسی دوسرے اسلامی شہید کے بارے میں نہیں لکھا اور کہا گیا، مگر یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ حضرت حسینؓ کے بارے میں اتنا لکھا اور کہا جانا، ان کی بیدردانہ شہادت سے بھی زیادہ ان کی مظلومیت کا باعث بن گیا، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے شہید کربلا بننے سے کہیں بڑی مظلومیت یہ ہے کہ بعد کی نسلوں کے سامنے ان کی شہادت کی تفصیلات کو جس متضاد انداز میں پیش کیا گیا اس نے ان کی شخصیت اور مقصد شہادت دونوں پر دبیز پردے ڈال دیئے اور نتیجہ کے طور پر یہ صورت حال پیدا ہو گئی کہ خود شہادت حسینؓ ہی نزاعی بن کر رہ گئی، ہماری تاریخ کا یہ المیہ مضحکہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ کس قدر فکر انگیز اور عبرتناک ہے کہ حضرت حسینؓ کو شہید مظلوم بلکہ سید الشہداء و شہید اعظم قرار دینے والوں کو جن تاریخی مجموعوں سے روایات مل جاتی ہیں ان ہی مجموعوں سے ان کو مجتہد مخطی بلکہ باغی اور ہلکے الفاظ میں خروج کرنے والا قرار دینے کے لئے بھی روایات مل جاتی ہیں، حضرت حسینؓ رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے تھے، اس ایک فضیلت کے سوا ان کی کتاب فضائل کا کون سا عنوان ہے جسے نزاعی نہ بنا دیا گیا ہو؟ وہ صحابیٔ رسول تھے یا نہیں؟ ان کو زبان رسالت سے جوانان جنت کا سردار قرار دیا گیا یا نہیں؟ کوفیوں کی دعوت پر ان کا سفر کرنا، درست تھا یا نہیں؟ وہ محافظ اسلام تھے یا حریص خلافت؟ انھیں شہید مظلوم قرار دیا جائے یا باغی مقتول؟ یہ متضاد سوالات ہی نہیں بلکہ ایسی دو متوازی فکریں ہیں جن پر امت مسلمہ کی بہترین صلاحیتیں صدیوں سے صرف ہو رہی ہیں۔ اور ہم پورے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ سبائیوں کی یہ وہ سب سے بڑی کامیابی ہے جسکو عام کرنے کا سہرا ابو مخنف لوط بن یحیٰ، ہشام کلبی، محمد بن ہشام، واقدی، مسعودی اور محمد بن جریر طبری کے سر بندھتا ہے؛ کیسی عجیب ہے یہ بات کہ ہمارے مؤرخین و محققین آج تک حتمی طور پر یہی فیصلہ نہ کر سکے کہ نواسہ رسول سیدنا حسینؓ کا قتل کن ہاتھوں سے ہوا، اور ان کے اصل قاتل کون لوگ تھے، اور اسلامی قانون کے لحاظ سے ان کا مقام کیا ہے؟ کسی کو رافضی یا کسی کو خارجی قرار دیکر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ لینا اور بات ہے لیکن سچائی یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت یہی ہے کہ ان کو شہید جور و ستم قرار دینے

والے بھی مسلمان قرار دیئے جاتے ہیں، اور انھیں باغی و جارح کی حیثیت سے یاد کرنے والے بھی علانیہ طور پر مسلمان ہی گردانے جاتے ہیں جبکہ شہید و باغی دونوں کے علیحدہ علیحدہ دنیاوی احکام اور اُخروی انجام سب ہی کو معلوم ہیں۔

حضرت حسینؓ کی صحابیت

حضرت حسینؓ کی رسول اللہ ﷺ کے سامنے ولادت ہوئے، حضور ﷺ کے ان کا نام رکھنے، ان کی تحنیک کرنے ان کا عقیقہ کرنے، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرنے کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اختلاف ہوا تو صرف اس بات میں کہ اصطلاحی طور پر ان کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا یا نہیں؟ اور اس اختلاف کی بنیاد وہی ہے جس کا ذکر ہم حضرت حسینؓ کی صحابیت کے سلسلہ میں مفصل طور پر کر آئے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حضرتؓ حسنؓ ہی بہت کمسن تھے، چہ جائیکہ ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ جو کم از کم ۱۱ ماہ تو ان سے چھوٹے تھے ہی، اس لئے حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی صحابی نہ تھے، ہم حضرت حسنؓ کی صحابیت کی بحث میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ عام طور پر محدثین واہل علم صحابی اس خوش نصیب شخص کو قرار دیتے ہیں جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو، اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اس کی موت بھی واقع ہوئی ہو، اس کے علاوہ صحابیت کے لئے اور کوئی شرط نہیں لگاتے، اور اس تعریف کے اعتبار سے حضرت حسنؓ ہی کی طرح حضرت حسینؓ کے صحابی ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے لیکن کچھ لوگوں نے صحابی ہونے کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ صحبت طویلہ[۲] کی بھی قید لگائی ہے، یا اسی طرح بعض لوگوں نے روایت کی قید لگائی ہے، ان قیود کی رعایت کر کے بھی حضرت حسینؓ کی صحابیت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ جن لوگوں نے صحابی ہونے کے لئے بالغ ہونے کی قید لگائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس وقت ملاقات ہو، اس وقت بالغ ہو تب ہی صحابی ہو

---

(۱) حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں بھی متعدد اقوال ہیں اور اس سلسلہ میں بھی کہ ان دونوں بھائیوں کے درمیان عمروں کا کتنا تفاوت تھا؟ حافظ ابن کثیر، علامہ ابن عبدالبر اور علامہ ابن الاثیر جزری اور اکثر دوسرے مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت حسنؓ کی ولادت رمضان ۳ھ میں اور حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ میں ہوئی، اور اس طرح ان دونوں کے درمیان ۱۱ ماہ کا فرق تھا، اس کے علاوہ دوسرے اقوال بھی ہیں، حتی کہ بعض لوگوں نے حضرت حسنؓ کی ولادت ۷ھ اور حضرت حسینؓ کی ولادت ۹ھ میں بتائی ہے اور ان دونوں کے درمیان عمروں کا تفاوت ڈیڑھ سال بتایا ہے، مگر مشہور قول وہی ہے جس کا ذکر پہلے کیا گیا۔

(۲) صحبت طویلہ:۔ حضرت سعید بن مسیب کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سال کے قیام سے پوری ہو جاتی ہے (فتح الباری ج ۷ ص ۲)

سکتا ہے ورنہ نہیں، تو اولاً تو اس قول کو حافظ ابن حجر اور دوسرے محدثین نے رد کر دیا (۳) ہے۔ اور اگر اس قول کا اعتبار بھی کیا جائے تو یہ بات روایت کے لئے ہے کہ ایسا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ سے کم عمری و نابالغی میں ملاقات کی ہو بلوغ کی حالت میں نہیں۔ بعض لوگ اس کو صحابی تو مانتے ہیں لیکن اس کی روایت کو تابعی کی روایت کی حیثیت دیتے ہیں۔ یعنی اگر اس نے براہ راست رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول یا عمل بیان کیا تو اسے مرسل کا حکم دیا جائے گا مرفوع کا نہیں۔ (۴)

یعنی نابالغی کی بنیاد پر جن لوگوں نے صحابیت کا انکار کیا بھی ہے وہ انکار صرف روایت حدیث کی حد تک ہے عام نہیں، اور عام طور پر وہ لوگ بھی ایسے شخص کو صحابی ہی قرار دیتے ہیں۔

ان تفصیلات کے سامنے آنے کے بعد اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ تحقیق کا پورا زور صرف کر کے عہد نبوی میں حضرت حسینؓ کو بالکل دودھ پیتا بچہ ثابت کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد پورے زور و شور کے ساتھ یہ اعلان کرتے ہیں کہ حسینؓ اتنے کم عمر بچے تھے کہ وہ صحابی ہو ہی نہیں سکتے، وہ کیا تاثر دینا چاہتے ہیں؟ ہر مسلمان کا سب سے زیادہ لائق اعتماد انسانی گروہ صحابۂ کرام ہی کا ہے، کیونکہ یہی وہ جماعت ہے جس کے بارے میں امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ الصحابۃ کلھم عدول (تمام صحابہ راستباز ہیں) پھر جب حضرت حسینؓ کے سلسلہ میں مطلقاً یہ کہا جائے کہ وہ صحابی نہیں ہیں تو اسے ان کی حیثیت عرفی کو مجروح کر کے ان کے مقام عظمت کو گھٹانے کے سوا اور کس نام سے یاد کیا جا سکتا ہے؟ اور بس یہی وہ ناپسندیدہ کام ہے جس کو انجام دینے سے پہلے ایک مسلمان کو یہ ضرور سوچنا چاہیئے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پسند کے ساتھ کیا معاملہ کر رہے ہیں؟

حضرت حسینؓ کی شہادت

اسلامی تاریخ کے تاریک دنوں میں سے ایک دن ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کا بھی ہے، جس دن نواسہ رسول ﷺ حضرت حسینؓ کی بے دردانہ شہادت ان ہی لوگوں کے ہاتھوں ہوئی جو اپنے آپ کو شہید مظلوم کا ہم مذہب ظاہر کرتے تھے اور جو اپنے کو اسی رسول کی غلامی سے وابستہ بتاتے تھے جس کے نواسے حضرت حسینؓ تھے اس سے قطع نظر کہ قاتلان حسینؓ کون لوگ تھے، اور اس حادثۂ الم کے پس پشت کس قسم کی سازش کام کر رہی تھی؟ کوئی بھی کلمہ گو نہ قتل حسینؓ پر راضی ہو سکتا ہے نہ اس المیہ کے ذمہ داروں سے اپنی وابستگی پر فخر کر سکتا ہے، ہم اسے حضرت حسینؓ کے خون ناحق اور ان کی مظلومیت کی ایک شہادت ہی قرار دیں گے

---

(۳) (فتح الباری ج ۷ ص ۳)

(۴) یہ محدثین کی خالص علمی و اصطلاحی بحث ہو جو انھوں نے روایت حدیث کے سلسلہ میں اٹھائی ہے اور عام مسلمان من حیث الروایۃ صحابی ہونے اور من حیث الروایۃ صحابی نہ ہونے کے فرق کو جانتا بھی نہیں ہے، اسی لئے مطلقاً اس کے سامنے کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ آنا کہ وہ صحابی ہے یا صحابی نہیں ہے اس کے مذہبی جذبات کے رخ کی تعیین کا ذریعہ بنتا ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہو جسکا تعلق عقیدہ سے ہو گا ایک صحابی اور ایک غیر صحابی کے مقام میں نمایاں فرق ہے۔

کہ ان کے قاتل آج اس طرح بے ننگ و نام ہو گئے کہ ان سے اپنی جسمانی یا روحانی وابستگی قائم کرنے والا دنیا کے پردہ میں کوئی نہیں ہے لیکن اس کے باوجود خود حضرت حسینؓ کے لئے شہید ہونا، ان کے تاج سعادت کا وہ انمول نگینہ ہے جس کی قدر و قیمت سے وہ خود آگاہ ہوں گے، یا پھر وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بیان پر یقین کرتے ہوئے شہید کے مقام و مرتبہ سے واقف ہیں، تاریخ کی بے سروپا روایات کے ذریعہ حسینی شہادت کو رونے رلانے کا سامان کرنے والے یا اسے حضرت حسینؓ کا ایک عاجلانہ وعاقبت نا اندیشانہ اقدام قرار دیکر استہزا کرنیوالے توصدیوں سے حضرت حسینؓ کی مظلومیت میں اضافہ کر رہے ہیں۔

جہاں تک حضرت حسینؓ کی شہادت کی تفصیلات کا معاملہ ہے تو ان کے مکہ سے کوفہ کے لئے راونگی تک یا زیادہ سے زیادہ کربلا پہنچنے تک کے واقعات ہم تک ان ذرائع سے پہنچے ہیں جن پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حادثہ کربلا کی تمام تر تفصیلات سب سے پہلے طبری نے اپنی تاریخ میں ابو مخنف لوط بن یحیٰ کی روایت سے بیان کی ہیں، اس کے بعد پھر تاریخ طبری ہی سے دوسری کتابوں میں نقل در نقل ہوتی رہیں۔ ہم ان واقعات کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنے سے پہلے چند ایسے امور کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں جن سے قارئین خود اسانی کے ساتھ اندازہ کرلیں گے کہ حادثۂ کربلا کی تفصیلات اور حرب و جنگ کے مناظر کا بیان کس درجہ قابل اعتماد ہوسکتا ہے؟

۱۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو پیش آیا۔

۲۔ اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ کے افراد خاندان میں سے ان کے صاحبزادہ گرامی حضرت علی زین العابدین اور ان کے دو بھتیجے حضرت زید بن حسنؓ اور حضرت حسن مثنی بن حسنؓ میدان کربلا سے زندہ واپس آئے تھے، اور یہ تینوں ہی بزرگوار کربلا میں پیش آنے والے المناک حادثہ اور اپنے افراد خاندان کی شہادتوں کے چشم دید گواہ تھے، لیکن اس حادثہ کی تفصیلات بیان کرنے والی کسی بھی روایت کا راوی ان تینوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔

۳۔ حادثۂ کربلا کی تمام جزئی تفصیلات، مثلاً جنگ کس طرح شروع ہوئی؟ مبارز طلبی پر حسینی قافلہ سے پہلے کون لوگ آگے بڑھے؟ پیاسوں پر کیا بیتی؟ علی اصغر و سکینہ کیوں کر شہید ہوئے؟ عباس علمدار نے کیا کارنامے انجام دیئے؟ وغیرہ وغیرہ، سب سے پہلے ابو مخنف لوط بن یحیٰ نے اپنی کتاب مقتل حسینؓ میں بیان کیں، اور پھر اسی راوی سے روایت کرتے ہوئے ان تفصیلات کو محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں جگہ دی۔

۴۔ ابو مخنف کا تعارف کراتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر کرتے ہیں۔

لوط بن یحیٰ ابو مخنف اخباری تالف لا یوثق بہ ترکہ ابو حاتم وغیرہ

وقال الدار قطنی ضعیف وقال یحی بن معین لیس بثقہ وقال مرہ لیس بشئی

وقال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارہم قلت روی عن الصعق بن زہیر و جابر الجعفی و مجالدروی عنہ المدائنی و عبدالرحمن بن مغراء

ومات قبل السبعین ومائہ انتہیٰ وقال ابو عبید الآجری سالت ابا حاتم عنہ فنفض یدہ وقال احد یسال عن ھذا وذکرہ العقیلی فی الضعفاء (لسان المیزان ج۴ص ۹۳-۴۹۲)

لوط بن یحیٰ ابو مخنف ایک مؤرخ ہے جس نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، قابل بھروسہ نہیں ہے ابو حاتم وغیرہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔

اور دار قطنی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور یحیٰ بن معین نے کہا کہ یہ معتبر نہیں ہے، اور ایک مرتبہ یہ کہا کہ یہ تو کچھ ہے ہی نہیں۔

اور ابن عدی نے کہا کہ یہ جلا بھنا (یا آگ لگانے والا) شیعہ ہے اور انہی کی خبریں بیان کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صعق بن زہیر اور جابر جعفی اور مجالد(۶) سے روایت کرتا ہے اور اس سے مدائنی و عبدالرحمن بن مغراء نے روایت کیا ہے۔

۱۷۰ سے پہلے فوت ہوا، انتہی۔ اور ابوعبید آجری نہ کہا کہ میں نے ابوحاتم سے اس کے (ابو مخنف کے) سلسلہ میں پوچھا تو انھوں نے اپنا ہاتھ جھٹک کر کہا ایسے شخص کے بارے میں بھی کچھ پوچھا جاتا ہے اور عقیلی نے اس کا ذکر الضعفاء میں کیا ہے۔

۵- محمد بن جریر طبری کی ولادت ۲۲۴ھ کے آخر یا ۲۲۵ھ کے شروع میں ہوئی اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ (۷)

مندرجہ بالا امور کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ بات خود بخود نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ شہادت حسینؑ کی تمام تفصیلات اور کربلائی داستان کی حیثیت ابو مخنف کے دجل و فریب اور اطمینان سے بیٹھ کر تیار

(۵) جابر بن یزید بن الحارث جعفی۔ علمائے شیعہ میں سے ہے۔ امام شعبی، امام ابوحنیفہ، لیث بن سلیم نے اسے کذاب قرار دیا ہے، نسائی و طبرہ نے اسے متروک قرار دیا، ابوداؤد نے قوی نہیں کہتے، جریر بن عبدالحمید نے اس سے روایت کو حلال نہیں جانا۔ یحیٰ نے کہا کہ نہ اس کی کوئی حدیث لکھی جائے نہ کراہت (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۷۶)

(۶) مجالد بن ابی راشد، امام احمد نے اسے لاشی قرار دیا ہے کیونکہ یہ موقوف روایات کو مرفوع بنایا کرتا تھا (لسان المیزان ج ۵ ص ۱۶)

(۷) لسان المیزان ج ۵ ص ۱۰۲

کئے گئے جھوٹ کے پوٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اسے پروان چڑھانے اور نشر کرنے میں طبری نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا ابو مخنف کربلا کے واقعات کی تفصیلات اتنی ڈھٹائی کے ساتھ بیان کرتا ہے جیسے یہ خود ان واقعات کا چشم دید گواہ ہو، جبکہ حادثہ کربلا کے وقت یہ پیدا بھی نہیں ہوا تھا، اسی طرح طبری، ابو مخنف سے روایت کرتے ہوئے ان واقعات کو پوری تفصیل کے ساتھ اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہیں جبکہ نہ ابو مخنف کے بیانات لائق اعتناء تھے نہ ہی طبری نے ابو مخنف کو دیکھا تھا کیونکہ طبری کی ولادت سے کم از کم ۵۵ برس پہلے ابو مخنف فوت ہو چکا تھا، اس کے باوجود طبری اس کے منقولات کو اس طرح روایت کرتے ہیں جیسے وہ ان کا استاذ ہو، اور طبری نے براہ راست اس سے سماعت کی ہو۔

ابو مخنف کے کذب و افتراء کا شاہکار مقتل حسینؓ نامی کتاب کا تو اب کہیں وجود نہیں ہے لیکن اس کے مکائد کو طبری نے اپنی تاریخ میں نقل کر کے حضرت حسینؓ کی ذات گرامی اور ان کی شہادت کو قیامت تک کے لئے موضوع بحث بنا دیا، کیونکہ بعد کی تاریخوں میں طبری کی روایات ہی کو نقل کیا گیا، اور پھر نقل در نقل، اور ان روایات پر نقد و جرح کا جو سلسلہ چلا تو شہادت حسینؓ کو ایک ایسا افسانہ بنا دیا گیا جیسے تاریخ اسلام کی یہ پہلی شہادت تھی اور اس کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں بھونچال آگیا تھا۔

جبکہ واقعات ثابتہ کی ترتیب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت بھی اسی سبائی فتنہ کی ایک کڑی تھی جس کی وجہ سے خلیفۂ مظلوم حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت ہوئی۔ پھر اسی شہادت کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کے دور خلافت میں جنگ جمل اور جنگ صفین برپا ہوئیں(۸) پھر اسی فتنہ کے زیر اثر حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ ان کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کو طرح طرح سے تنگ کیا گیا، اور ان کو رسوا و ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا گیا، پھر حضرت معاویہؓ کی وفات ہوتے ہی اس زیر زمین فتنہ کو ایک مرتبہ نئی قوت اور نئے حوصلوں کے ساتھ سر اٹھانے کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا حادثۂ جانکاہ پیش آیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یزید کا کردار کیا تھا؟ یزید کی امارت حق بجانب تھی یا نہیں؟ اور یزید کی امارت سے اس وقت کے اہل الرائے متفق تھے یا نہیں؟ ان متنازعہ بحثوں میں پڑے بغیر ہم ایک متفق علیہ بات جانتے ہیں کہ یزید کی امارت سے حضرت حسینؓ کو اتفاق نہ تھا اور انہوں نے یزید کی خلافت کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، کوفہ کے سبائیوں نے حضرت حسینؓ کے نام خطوط لکھ کر اور ان کی خدمت میں اپنے وفود بھیج کر حضرت حسینؓ کو یہ کھلا ہوا فریب دیا کہ عراق کے تمام باشندے آپ کے موقف سے پوری طرح متفق ہیں، وہ یزید کی بیعت کا

---

(۸) حضرت علیؓ کے دور خلافت کی تیسری جنگ نہروان بھی سبائی سازش ہی کے نتیجہ میں برپا ہوئی تھی؟ جو اگرچہ کھلی ہوئی حق و باطل کی جنگ تھی کیونکہ حضرت علیؓ کے مخالفین اور ان کے مقابلہ پر آنے والے خارجی حضرت علیؓ کو نعوذ باللہ مرتد قرار دے رہے تھے، لیکن اسلام اور اعیان اسلام کو مٹانے کی سبائی سازش ہی کی اس میں بھی کار فرمائی تھی۔

قلادہ اپنی گردنوں سے اتار کر بس آپ کے منتظر ہیں کہ آپ تشریف لائیں، اور یہ تمام لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کریں، یہ وہی سبائی تھے جنھوں نے حضرت حسینؓ کے والد بزرگ وار حضرت علیؓ کو اسی طرح فریب دیکر اپنی وفاداری کا اس درجہ یقین دلایا تھا کہ انھوں نے اپنا دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے کوفہ منتقل کر لیا تھا، لیکر پھر ان کوفیوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ کس طرح دغا کی، اور کس طرح ان کو خون کے آنسو رلائے اور کس طرح ان کو بے یار و مددگار کیا۔ اور بالآخر حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت کا واقعہ ہائلہ پیش آیا؟ اس کی تفصیلات بیان کرنے کا نہ یہ موقع ہے نہ ہی ان تسلیم شدہ حقائق کی تفصیلات بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہے، حضرت علیؓ کے فرزند اکبر حضرت حسنؓ کچھ تو اپنی طبعی صلح پسندی کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے والد گرامی کے ان وفاداروں کی وفاداریاں اپنی آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی تھیں ان سبائیوں کے نرغے میں نہیں آئے اور ان کوفی سبائیوں کے مشوروں کے علی الرغم انھوں نے حضرت معاویہؓ سے مصالحت کا تاریخ ساز فیصلہ کر کے خلافت سے دست برداری حاصل کر لی۔ اگرچہ اس مصالحت کے نتیجہ میں حضرت حسنؓ کو ان سبائیوں کے ہاتھوں بڑے روح فرسا مظالم برداشت کرنا پڑے، لیکن بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسنؓ سبائیوں کے دام تزویر سے صاف بچ کر نکل گئے، اب خانوادۂ رسالت کے تیسرے فرد حضرت حسینؓ تھے جنکو سبائیوں نے اپنا نشانہ بنایا اور یہ ایک کربناک سچائی ہے کہ حضرت حسینؓ ان کوفی سبائیوں کی منظم سازش کے شکار ہو گئے اور اپنے قریب ترین ولائق اعتماد اعزہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت محمد بن علیؓ وغیرہما کی فہمائشوں اور دور رس مشوروں کو رد کر کے کوفہ کے لئے عازم سفر ہو گئے، مکہ میں حضرت حسینؓ کو بتایا گیا تھا کہ صوبہ عراق کے تمام مسلمانوں نے آپ کے ہاتھوں پر خلافت کی بیعت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور آپ کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھوں پر اٹھارہ ہزار افراد نے بیعت کر لی ہے۔ ایک لاکھ سے زائد افراد آپ کے لئے چشم براہ ہیں۔ اور انہوں نے ہر طرح آپ کا ساتھ دینے کے لئے طلاق و عتاق کی قسمیں کھا رکھی ہیں۔ اور یہ ساری یقین دہانیاں ان ساٹھ سبائیوں نے کرائی تھیں جو کوفہ سے خاص اسی مقصد کو لیکر حضرت حسینؓ کے پاس آئے تھے کہ کسی بھی طرح ان کو کوفہ کے سفر کے لئے رضامند کریں، سبائیوں کی اس مکر و فریب سے بھری شاطرانہ سازش کو مزید قوت اس خط سے بھی ملی جو حضرت مسلم بن عقیل کے نام سے حضرت حسینؓ کے پاس آیا تھا اور جس میں یہ درج تھا کہ آپ کی خلافت کے لئے میرے ہاتھوں پر بارہ ہزار افراد اب تک بیعت کر چکے(۹) ان تمام واقعات سے

---

(۹) اس خط کی روانگی کے بعد حضرت مسلم کی شہادت اور کوفہ پہنچنے پر کوفہ کے لوگوں کا حضرت حسینؓ کے نام کوئی خط بھیجنے سے انکار کرنا، اور ان ساٹھ سبائیوں تک کا حضرت حسینؓ کی مدد سے منہ پھیرنا جو مکہ سے ان کے ساتھ آئے تھے، یہ قرائن ہیں جن سے یقین کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی طرف سے لکھا جانے والا یہ خط بھی حضرت مسلمؓ کا نہ تھا بلکہ یہ بھی ان سبائیوں کا ہی لکھا ہوا تھا۔

حضرت حسینؓ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یزید کے خلاف ایک عوامی انقلاب کی ضرورت ہے اور اس انقلاب کی قیادت کے لئے متفقہ طور پر لوگوں کی نگاہیں میری طرف اٹھ رہی ہیں چنانچہ وہ ایک عوامی مطالبہ کی تکمیل کی نیت سے مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوگئے، کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت حسینؓ کو جستہ جستہ اصل حقیقت کا علم ہوتا گیا پھر ان کو یہ بھی اطلاع مل گئی کہ ان کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیل کو شہید کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ جب وہ مقام حاجر پہنچے تو یہ اعلان عام کر دیا کہ ہمارے گروہ کے لوگوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ مزید جو لوگ جانا چاہیں واپس جاسکتے ہیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

اس اعلان کے بعد کافی لوگ حضرت حسینؓ کو چھوڑ کر واپس چلے گئے، پھر جب کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کے نمائندہ عمر بن سعد نے حضرت حسینؓ سے ملاقات کی اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ "اے عمر تین میں سے میری ایک بات مان لو، یا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں جیسے آیا ہوں ویسے ہی واپس چلا جاؤں۔ اگر یہ نہیں تو پھر مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں پھر وہ جو چاہے فیصلہ کرے، اور اگر یہ بھی نہیں چاہتے تو مجھے ترکوں کی طرف جانے دو تاکہ ان سے جہاد میں میں اپنی جان دیدوں"[1]۔ پھر کیا ہوا؟ پھر یقیناً یہی ہوا کہ حضرت حسینؓ کی جنگ ٹالنے کی یہ مخلصانہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی، اور دشمنان حسینؓ نے ہاتھ آئے ہوئے شکار کو نکلتا دیکھ کر جنگ چھیڑ دی اور اس طرح تاریخ اسلام کا یہ بدنما واقعہ پیش آکر رہا کہ نواسہ رسول ﷺ، شہید مظلوم حضرت حسینؓ بن علیؓ نے اپنے خاندان کے کچھ قریبی اعزہ اور بہی خواہوں کے ساتھ کربلا کے میدان میں جام شہادت نوش کر لیا۔

سبائی سازش کامیاب ہو گئی، حسینؓ شہید ہو گئے، مگر نہیں۔ سبائی نامراد ہوئے کیونکہ قاتلان حسینؓ سے اینا رشتہ جوڑنے والا کوئی نہیں ہے اور حسینؓ سرخرو ہوئے کیونکہ

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن　　نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

چند ضروری وضاحتیں

حضرت حسینؓ کی شہادت یقیناً تاریخ اسلام کا ایک سیاہ صفحہ ہے، لیکن ابو مخنف سے پہلے اس حادثہ سے دل چسپی لینے والا، اور اس کی تفصیلات کو چٹخارے لے لے کر بیان کرنے والا ہم کو کوئی نہیں ملتا، نہ آہ وفغاں ہے نہ ماتم و شیون ہے، اور نہ ہی یزید پر طعن اور اس کا دفاع ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ حضرت حسینؓ کے جواں عمر فرزند اور ان کے حقیقی وارث حضرت علی زین العابدین حادثۂ کربلا کے چشم دید گواہ تھے، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی طرف سے قصاص کا کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا حادثہ کربلا کے دو سال بعد جب حادثۂ حرہ پیش آیا تو حضرت زین العابدین اور حضرت حسینؓ کے دوسرے افراد خاندان کے لئے بہت اچھا موقع تھا کہ

---

(۱۰) کوفہ کے لوگوں کے خطوط بھیجنے سے لے کر یہاں تک کے واقعات کی تفصیلات البدایۃ النہایہ ج ۸ ص ۱۵۲ تا ۱۶۲، اور الاصابہ ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۷۰ سے ماخوذ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ساتھ دیکر یزید سے اپنے والد حضرت حسینؓ کے خون ناحق کا انتقام لے لیتے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حسینؓ کے افراد خاندان میں سے کسی نے حضرت ابن زبیرؓ کا ساتھ نہیں دیا۔ آخران حضرات کا یہ موقف کیوں تھا؟ پھر اس کے بعد جب سبائیوں نے التوابون بن کر اور اپنی پچھلی حرکتوں پر ندامت کا اظہار کر کے خونِ حسین کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جارحانہ تحریک شروع کی، تو حضرت زین العابدین یا دیگر بنی ہاشم نے ان کا ساتھ کیوں نہیں دیا، اور ان تحریکوں سے اپنے کو الگ کیوں رکھا؟ کیا کوئی جرأت مند ہے جو یہ کہہ سکے کہ حضرت زین العابدین اور حضرت حسینؓ کے دیگر افراد خاندان کو حضرت حسینؓ کی بے دردانہ مظلومانہ شہادت سے رنج نہیں ہوا تھا؟ یا یہ کہنے کی کسی میں ہمت ہے کہ ان لوگوں کو رنج تو ہوا تھا مگر یہ نعوذ باللہ اتنے پست ہمت، اور بے حمیت تھے کہ نہ انھوں نے قصاص کا مطالبہ کیا نہ ہی انتقام لینے کی بات کبھی سوچی؟ ہمارا خیال یہ ہے کہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ چونکہ یہ حضرات، ابو مخنف کی روایات کے ذریعہ نہیں بلکہ پوری صورت حال کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور کانوں سے سننے کی وجہ سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اس افسوسناک اور قابل نفرین حادثہ کے لئے حکومت وقت، یا اس کا سربراہ یزید نہیں، بلکہ کوفہ کے وہ سبائی ذمہ دار ہیں جنھوں نے واقعات کی غلط تصویر پیش کر کے اور عوامی انقلاب کی ضرورت کا چکمہ دیکر حضرت حسینؓ کو کوفہ بلوایا تھا، اور پھر کربلا کے میدان میں ان کو بے یار و مددگار کر کے اپنی گردن کٹوانے پر مجبور کر دیا تھا، اسی لئے نہ ان حضرات نے "التوابون" کی توبہ تسلیم کی نہ ان کو اپنا کسی قسم کا تعاون دیا، نہ ہی واقعہ حرہ میں کسی طرف سے شرکت کی۔

اسی جگہ تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجانا مناسب ہے کہ بعض لوگ حمایت یزید کے جوش میں یزید اور اس کی حکومت کے خلاف حضرت حسینؓ کے اس اقدام کو خروج یا بغاوت سے تعبیر کرتے ہوئے یزید کو برسر صواب، اور حضرت حسینؓ کو برسر خطا بتاتے ہیں، ایسا کہنے والے امت کے اجماعی موقف کو کورانہ تقلید اور اپنی بے جا جسارت و گستاخی کو تحقیق کا نام دیتے ہیں۔ ہم ایسی تحقیق سے سو بار اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ نے جن حالات میں اور جن خبروں کی بنیاد پر جو اقدام کیا، وہ برسر حق تھا، اور ایک مجتہد مطلق ہونے کے ناطے ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا اقدام کرنا جائز بھی نہ تھا۔

جہاں تک اصحاب تحقیق کا معاملہ ہے تو ان کی دلیل یہی ہے کہ چونکہ حضرت حسینؓ نے یزید کی متفق علیہ اور قائم شدہ خلافت کے خلاف خروج کیا اس لئے وہ بہر حال باغی قرار پائیں گے قطع نظر اس سے کہ فضیلت و مرتبہ میں یزید کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کہیں بڑھے ہوئے تھے لیکن شریعت مقدسہ کی واضح تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کے اتفاق کے بعد کسی خلیفہ کے خلاف خروج کی اجازت نہیں ہے اور ایسے کسی اقدام کو خروج یا بغاوت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے جو بہر حال ایک جرم ہے۔

اس مغالطہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ پہلے یزید کی خلافت کو ایسی متفق علیہ قرار دے لیا گیا کہ گویا اہل الرائے افراد میں سے کسی کو اس سے اختلاف ہی نہ تھا اور پھر حضرت حسینؓ کے اختلاف کو ایک عامی کے

اختلاف یا زیادہ واضح الفاظ میں حکومت کی ہوس سے تعبیر کر کے ان کے اقدام کو بغاوت قرار دے لیا گیا۔

حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یزید کی خلافت سے متعدد اہل الرائے اور مجتہد اصحابؓ مثلاً حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ نے ولی عہدی کے وقت ہی اختلاف ظاہر کیا تھا، ان میں سے دیگر حضرات نے تو بعد میں اپنا اختلاف واپس لے لیا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ کے متعلق واضح طور پر ہم کو یہ معلوم ہے کہ انھوں نے اپنا اختلاف واپس نہیں لیا تھا اور ان دونوں نے نہ ولی عہدی کی بیعت کی نہ ہی بعد میں امارت قائم ہونے کے وقت۔ اگر ہم اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ ان دونوں کا ہم نوا اور کوئی نہ تھا۔ اور بقیہ تمام اہل الرائے حضرات نے یزید کی بیعت قبول کر لی تھی، تو بھی ان دونوں حضرات کے اختلاف کو بدنیتی اور حکومت کی ہوس سے تعبیر کرنا، ایک بے ہودہ جسارت کے سوا اور کچھ نہیں ہے کیونکہ ان دونوں بزرگواروں کے مجتہد ہونے کی حیثیت کا انکار کرنے کی تو شاید کوئی بھی جرأت نہ کر سکے پھر اگر دوسری تمام غیر معتبر اور تشنۂ تحقیق باتوں سے قطع نظر، انھوں نے صرف اپنے اجتہاد کی بنیاد پر پوری نیک نیتی کے ساتھ یزید کی خلافت قبول کرنے سے انکار کر کے ذاتی طور پر بیعت نہیں کی تو اسے کیونکر جرم گردانا جا سکتا ہے؟ البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر دیگر تمام اہل الرائے حضرات نے بیعت کر لی تھی اور عوام نے یزید کو خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا، تو حکومت قائمہ کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی نہ ان دونوں حضرات کو اجازت ہو سکتی تھی، نہ ہی کسی اور کو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ بن علیؓ دونوں میں سے کسی کے لئے کسی ضعیف سے ضعیف بلکہ موضوع روایت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے بیعت سے انکار کے بعد خلافت سازی کی کوشش شروع کر دی ہو، جہاں تک حضرت حسینؓ کا معاملہ ہے تو ان کو مکہ مکرمہ میں کوفیوں کے پیہم خطوط ملے کہ عراق کے لوگ یزید سے بیعت نہ کر کے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتے ہیں، آپ فوراً کوفہ آ جائیے تاکہ امت مسلمہ اختلال و انتشار سے محفوظ ہو جائے، یہ خطوط کوفہ کے ایسے مقتدر و باعزت افراد کی طرف سے لکھے ہوئے تھے جن کے اصرار کو حضرت حسینؓ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، پھر بھی انھوں نے احتیاط کے طور پر حضرت مسلم بن عقیلؓ کو صحیح صورت حال کا پتہ لگانے کے لئے کوفہ بھیجا، حضرت مسلمؓ کی کوفہ روانگی سے پہلے اور بعد میں کوفہ کے سبائیوں کے متعدد وفود بھی حضرت حسینؓ سے مکہ میں آ کر ملاقاتیں کر کے اور اسی مضمون کو بیان کر کے جو خطوط میں لکھا گیا تھا، حضرت حسینؓ سے کوفہ کی طرف کوچ کرنے کی درخواستیں کرتے رہے تھے۔ پھر حضرت حسینؓ کے نمائندہ حضرت مسلم بن عقیلؓ کی طرف سے وہ خط حضرت حسینؓ کو ملا، جس میں لکھا گیا تھا کہ کوفہ کے بارہ ہزار، یا ایک روایت کے مطابق اٹھارہ ہزار اور ایک دوسری روایت کے مطابق ساٹھ ہزار افراد تک نے آپ کی خلافت کے لئے میرے ہاتھوں پر بیعت کر لی ہے، اور یہاں عام طور پر لوگ انقلاب حکومت چاہتے ہیں، اور آپ کے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ کی حیثیت سے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، پھر آخر میں کوفہ کے ساٹھ سبائیوں پر مشتمل وہ

وفد حضرت حسینؓ سے آکر ملا جس نے ہر طرح اس بات کی یقین دہانی کرائی کہ تمام اہل عراق اب اور صرف آپ کی خلافت پر متفق ہو چکے ہیں، بڑی تعداد میں لوگوں نے یزید کی حکومت قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے، اور وہ یزید کے عمال کے مظالم کے شکار ہو رہے ہیں، بقیہ لوگ آپ کے کوفہ پہنچنے کے منتظر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ کوفہ کے واقعی حالات وہ نہیں تھے جو حضرت حسینؓ کے سامنے بیان کئے گئے تھے، اور حضرت حسینؓ تک خطوط اور وفود کے ذریعہ پہنچائی جانے والی یہ تمام خبریں کوفہ کے ان تھوڑے سے سبائیوں کی سازش کا ایک حصہ تھیں جنھوں نے اس سے پہلے اسی طرح حضرت علیؓ کو بھی فریب دیا تھا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت حسینؓ کے لئے اس بات پر یقین کر لینے کے لئے کافی اسباب نہ تھے کہ عراق کے لوگ عوامی انقلاب کے ذریعہ حکومت تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور میرے سوا کسی دوسرے کی قیادت پر وہ لوگ متفق نہیں ہو سکتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اور حضرت حسینؓ کے دوسرے جن ہمدردوں و بہی خواہوں نے ان کو کوفہ جانے سے روکا تھا وہ ان کے سابقہ تجربات کی بنیاد پر تھا جو اہل کوفہ کی طرف سے اب تک ہوئے تھے۔ اور جن سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خاندان اور ان کے ذریعہ برپا ہونے والے دین کے دشمن ہیں، اور ہر گز اس لائق نہیں ہیں کہ ان پر اعتماد کیا جا سکے، اس کے برخلاف حضرت حسینؓ کے اطمینان کے لئے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کے نمائندہ مسلم بن عقیلؓ نے بھی کوفہ پہنچ کر اور وہاں کے حالات کا جائزہ لیکر وہی بات لکھی جو کوفہ سے آنیوالے لوگ زبانی بتا رہے تھے، ان حالات میں اگر حضرت حسینؓ نے عوامی انقلاب کی قیادت کے خیال سے مکہ مکرمہ سے کوفہ کا سفر شروع کیا، تو اسے خروج یا بغاوت سے تعبیر کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ بغاوت نام ہے کسی متفق علیہ اور قائم شدہ حکومت کے خلاف کسی فرد یا چند افراد پر مشتمل ایک چھوٹے سے گروہ کے اقدام کا جبکہ حضرت حسینؓ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا وہ تو اپنے علم و یقین کے مطابق عراقی عوام کو ان کی خواہش و اصرار پر مظالم سے بچانے ان کو متحد کرنے اور خلافت اسلامیہ عطا کرنے کا جذبہ لے کر روانہ ہوئے تھے، اس پس منظر میں حضرت حسینؓ کی مکہ سے روانگی کو خروج اور بغاوت سے تعبیر کرنا بہت ہی سنگین جسارت اور بہت بڑا ظلم ہے پھر ایسی صورت میں جبکہ بعد کے واقعات نے حضرت حسینؓ کے موقف اور ان کے ارادوں کو پوری طرح واضح کر دیا، کہ کوفہ پہنچنے سے پہلے ہی جب ان کو حضرت مسلم بن عقیلؓ کی شہادت اور دوسرے واقعات سے یہ یقین ہو گیا کہ پرانے شکاریوں نے نئے جال کے ذریعہ فریب دیا ہے۔ اور پھر کوفہ پہنچ کر اور اہل کوفہ سے مل کر جب انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں کوئی عوامی شورش نہیں ہے کوفہ کے مقتدر و اہل الرائے افراد یزید کی بیعت پر عام طور پر قائم ہیں، ان کے نام سے میری طرف بھیجے گئے خطوط جعلی تھے، اور یزید اور اس کے عمال مکہ سے میرے کوفہ آنے کو حکومت وقت کے خلاف خروج سمجھ رہے ہیں، نعمان بن بشیرؓ کی جگہ عبید اللہ بن زیادؓ کو کوفہ کا گورنر اسی لئے مقرر کیا جا چکا ہے کہ وہ پوری مستعدی اور فوجی قوت کے ساتھ میرا مقابلہ کرے، وہ لوگ جنھوں نے ساتھ دینے اور بیعت کرنے

کے وعدے کئے تھے سب غائب ہو چکے ہیں، غرضیکہ جب حضرت حسینؓ کو پوری طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ مکہ میں بتائے گئے حالات سے کوفہ کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ اور یہاں کسی عوامی انقلاب کی نہ طلب ہے اور نہ موقع تو انھوں نے عبید اللہ بن زیادؓ کے نمائندہ عمر بن سعد سے صاف صاف کہہ دیا کہ:-

"میری تین باتوں میں سے ایک مان لو، یا مجھے واپس جانے دو، یا یزید کے پاس پہنچا دو یا ترکوں کی طرف جانے دو تاکہ میں ان سے جہاد کر سکوں۔"

مگر ان سبائیوں کو جو ہزار جتن کر کے اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر نہ جانے کن کن مکاریوں سے حضرت حسینؓ کو یہاں لائے تھے یہ کیونکر گوارہ ہو سکتا تھا کہ اب حضرت حسینؓ بچ کر نکل جائیں؟ کیونکہ انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر حضرت حسینؓ یہاں سے زندہ واپس چلے گئے تو ہماری ساری سازش کھل کر رہے گی، اور یزید پر حسینؓ کی بے گناہی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ظاہر ہو کر رہے گا کہ حسینؓ کو کس طرح کوفہ کا سفر کرایا گیا، اور کن کن لوگوں کا اسمیں ہاتھ تھا؟ اور یہ سب ظاہر ہونے کے بعد ان سبائیوں کو اپنا انجام معلوم تھا، اس لئے انھوں نے ڈھکا پردہ ڈھکا رکھنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی، اور نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسینؓ پر وہ جنگ مسلط کر دی جو بالآخر ان کی مظلومانہ شہادت پر ختم ہوئی۔

یہ ہیں وہ حقائق جن سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوتے وقت جو موقف اختیار کیا تھا وہ اس وقت کے معلوم حالات و اخبار کی بنا پر بالکل مناسب اور درست تھا، پھر جب ان کے سامنے حالات و واقعات کی صحیح صورت آئی، اور انھوں نے اپنے موقف میں تبدیلی کی وہ اس وقت کے لحاظ سے بالکل درست و مناسب تھا۔

سچائی یہ ہے کہ نہ حضرت حسینؓ کو خلافت و امارت کی ہوس تھی، نہ وہ امت کے خون میں اپنے ہاتھ رنگنا پسند کرتے تھے اور نہ ہی اپنی اور اپنے افراد خاندان کی بربادی و ہلاکت کو پسند کرتے تھے جو کچھ ہوا وہ سبائیوں کی نہایت ہی منظم اور منصوبہ بند سازش سے ہوا، جس کے لئے حضرت حسینؓ کو کسی طرح ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا، اس لئے جو لوگ یزید کی حمایت کے جوش میں مقام حسینؓ کو فراموش کر کے ان پر خروج و بغاوت کی پھبتی کستے ہیں، وہ نہ صرف کردار حسینؓ کو مجروح کر کے ان کی مظلومیت میں اضافہ کرتے ہیں بلکہ تاریخ کو مسخ کر کے ناقابل معافی مجرمین کی فہرست میں اپنا نام درج کراتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک اور بات بھی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت حسینؓ کے قتل کا یزید کی طرف انتساب بھی سبائیوں کی اسی مکروہ سازش کا ایک حصہ ہے جس کے ذریعہ وہ اسلام کے خوبصورت پیکر کو داغدار بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت حسینؓ کی المناک شہادت کا حادثہ یزید کے دور امارت میں پیش آیا۔ لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہی نہیں ہے کہ یہ شہادت یزید کے حکم یا اس کے ایماء سے ہوئی تھی کیونکہ یزید کے سلسلہ میں کسی کمزور سے کمزور تاریخی روایت میں بھی یہ بات نہیں بیان کی گئی ہے کہ اس نے کسی بھی شخص کو حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا ہو، یا قتل حسینؓ پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہو بلکہ حافظ

ابن کثیر تو تحریر کرتے ہیں کہ:-

"حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے ایک آزاد کردہ غلام کا بیان ہے کہ جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر مبارک لاکر رکھا گیا تو میں نے اس کو روتے دیکھا اس نے کہا کہ اگر ابن زیاد اور حسینؓ میں باہم کوئی رشتہ ہوتا تو وہ (حسینؓ کے ساتھ) ایسا معاملہ نہ کرتا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۷۱"

اسی طرح ایک دوسری روایت کے مطابق:-

"جب حضرت حسینؓ کا سر مبارک یزید کے سامنے آیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے اپنے لشکر کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے کچھ نہ کہتا۔ اللہ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر لعنت کرے خدا کی قسم اگر میں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا (قتل نہ کرتا) (الاصابہ ج ۱ ص ۱۹۰)

اس قسم کے اور بھی بیانات تاریخ کی مختلف کتابوں میں یزید سے منسوب ہیں جن سے یہی واضح ہوتا ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کی شہادت پر اپنے رنج اور افسوس کا اظہار کیا ہے اس لئے یزید کو قاتل حسینؓ کے نام سے یاد کرنا، اور یزید کے نام سے اس طرح نفرت کرنا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے غیر نزاعی قاتلوں کے نام بے تکلف لئے جائیں، اور اپنے بچوں کے نام حضرت عمرؓ کے مجوسی قاتل کے نام پر فیروز رکھ دیئے جائیں تو کچھ حرج نہیں لیکن یزید کا نام اس لئے نہ آنے پائے کہ وہ قاتل حسینؓ ہے، انتہائی احمقانہ اور گمراہ کن خیال ہے کیونکہ اس کے علاوہ کہ یزید کا قاتل حسینؓ ہونا، یا قتل حسینؓ پر راضی ہونا کہیں سے ثابت نہیں ہے یزید کے نام کے بہت سے دوسرے اصحاب کرام و تابعین عظام گزرے ہیں لہذا اس نام سے نفرت انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

کچھ لوگ یزید کے قتل حسینؓ سے راضی ہونے پر اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ اگرچہ یزید کا حضرت حسینؓ کو شہید کر دینے کا حکم تو نہیں ملتا۔ لیکن اگر اسے واقعی یہ امر ناگوار گذرا ہوتا تو اس نے قاتلان حسینؓ سے قصاص لیا ہوتا، اور مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچایا ہوتا، جس کا ثبوت نہیں ملتا، تو یہ استدلال انتہائی بیہودہ ہے کیونکہ اولاً تو جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ حضرت حسینؓ کے ورثاء کی طرف سے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا گیا جبکہ یہ ان ہی کا حق تھا، پھر اس کی بھی وضاحت ہو گئی کہ قتل حسینؓ میں سبائیوں کی گہری اور منصوبہ بند سازش کا دخل تھا، اور کسی ایک فرد کو اس سلسلہ میں نامزد نہیں کیا جاسکتا تھا، ایسے حالات میں حکومت وقت کی کچھ انتظامی مجبوریاں ہوتی ہیں، اور ان تمام افراد کو جو کسی بھی درجہ میں سازش کے شریک ہوں قابل مواخذہ قرار دینے میں بدامنی اور خلفشار پھیلنے کا شدید خطرہ ہوتا ہے، جس کی رعایت سے حکمران کو ایسے معاملات کو معرض التوا میں ڈال کر مناسب وقت کا انتظار کرنا پڑتا ہے جیسا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں کے سلسلہ میں حضرت علیؓ نے کیا تھا۔ اور باوجود شدید مطالبہ کے وہ قاتلان عثمانؓ سے قصاص نہیں لے سکے تھے لیکن اس کے باوجود کوئی صاحبِ ایمان ہرگز نہ یہ کہہ سکتا ہے نہ ہی خارجیوں کی اس بے

بنیاد پر یقین کر سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں حضرت علیؓ شریک تھے۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

پھر کیا وجہ ہے کہ صرف قاتلان حسینؓ سے انتقام نہ لے سکنے کی بنیاد پر یزید کو قتل حسینؓ میں شریک ہونے یا اس سے راضی ہونے کا مجرم گردانا جائے؟

حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت

مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت حسینؓ یقیناً تاریخ کے ایک ناقابل فراموش مظلوم ہیں لیکن ان کی اصل مظلومیت یہ نہیں ہے کہ وہ شہید ہو گئے، بلاشبہ کربلا کے میدان میں ان کی شہادت بھی ان کی مظلومیت کا ایک عنوان ہے مگر یہ وہ شرف نہیں ہے جس کو پہلی مرتبہ حضرت حسینؓ ہی نے حاصل کیا ہو، ان سے پہلے ان سے کہیں زیادہ مظلومیت کے ساتھ ان کے خالو اور رسول اللہ ﷺ کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہو چکی تھی، پھر ان سے بھی پہلے اسلام کی راہ میں شہادت پیش کرنے والی پہلی خاتون حضرت سمیہؓ کی شہادت بھی ناقابل فراموش ہے جن کو مشہور دشمن اسلام اور محروم ازلی ابو جہل بن ہشام نے ٹانگیں چروا کر شہید کیا تھا۔

حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت یہ ہے کہ ان کے قاتل ہی ان کے سب سے بڑے دوست اور ان کے غم میں آنسو بہانے والے بن بیٹھے، اور اس طرح انھوں نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ حضرت حسینؓ کی شہادت کے اصلی اسباب و محرکات کو اوجھل کر دیا۔

اگر حادثۂ کربلا کی سبائی تفصیلات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ خلاف واقعہ بات مان لی جائے کہ مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت سے تادم شہادت حضرت حسینؓ کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، تو پھر ناصبیوں و خارجیوں کے اس الزام کے دفاع کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی کہ حضرت حسینؓ (معاذ اللہ) باغی تھے، کیونکہ اس واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تھی، اور تمام صوبوں میں اسی کے عامل کام کر رہے تھے، عراق کے بارے میں خطوط اور وفود کے ذریعہ حضرت حسینؓ کو جو اطلاعات دی گئی تھیں، وہ بالکل غلط تھیں۔ حضرت مسلم بن عقیلؓ کے ہاتھوں پر حضرت حسینؓ کے لئے جن بارہ ہزار، اٹھارہ ہزار یا ساٹھ ہزار لوگوں نے بیعت کی تھی وہ بھی ایک دھوکا ہی تھا کیونکہ وقت پڑنے پر کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا، حضرت حسینؓ کو صرف بہتر ۷۲ نفر پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ جس میں نابالغ بچے اور ضعیف العمر افراد بھی شامل تھے چار ہزار کی فوج سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، ایسی صورت میں کیا یہ کہنے کی کوئی گنجائش ہے کہ حضرت حسینؓ عوامی مطالبہ پر ایک عوامی انقلاب کی قیادت کر رہے تھے؟ اگر نہیں تو حالات سے واقف ہونے اور عوامی تائید نہ حاصل ہو سکنے کے بعد جنگ میں حصہ لینے کے لئے کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں تو ایک مرتبہ حضرت حسینؓ کو شہید کر کے ان پر ظلم کیا گیا لیکن سبائیوں

بقیہ ص ۴۱ پر

عمران خان کی شادی

لاہور کونسل سے جناب خالد فاروق نے اکبر الہ آبادی کی ایک نظم روانہ فرمائی ہے۔ جو عمران خان کی شادی سے بہت مطابقت رکھتی ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہ نظم ان کی خدمت میں پیش ہے۔

اک مسِ سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسلِ قوم
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود، اس راز کو کرتا ہوں فاش
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
قومِ انگلش سے ملو، سیکھو وہی وضع و تراش
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو
سوپ و کاری کے مزے لو، چھوڑ کر یخنی و آش
لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق
ہال میں ناچو، کلب میں جا کے کھیلو ان سے تاش
بادۂ تہذیبِ یورپ کے چڑھاؤ خُم کے خُم
ایشیاء کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش
جب عمل اس پر کیا، پریوں کا سایہ ہو گیا
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش
سامنے تھیں لیڈیانِ زہرہ وش جادو نظر
یاں جوانی کی امنگ اور ان کو عاشق کی تلاش
اُس کی چتون سحر آگیں، اس کی باتیں دل ربا
چال اس کی فتنہ خیز اس کی نگاہیں برق پاش
وہ فروغِ آتشِ رُخ، جس کے آگے آفتاب
اس طرح جیسے کہ پیشِ شمع پروانے کی لاش
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا
دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دورباش
دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا
دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال
حضرتِ سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش
"درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای
بازمیگوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش"

(بشکریہ "نوائے وقت" ملتان۔)

حکیم محمود احمد ظفر. سیالکوٹ

سائنسی علوم میں مسلمانوں کے انحطاط کی وجوہات

تاتاری حملہ سے عالم اسلام کو ایک خاص دھچکا لگا اور خلافت اسلامیہ کی چولیں ہل گئیں۔ تاتاری حملہ سے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا اس کے ازالہ کے لئے ایک مدت درکار تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کے قوائے فکریہ میں اضمحلال و افسردگی اور طبیعتوں میں یاس انگیزی اور جمود پیدا ہو گیا تھا۔ اس حملہ سے علوم دینیہ، ادب و شاعری اور اخلاق و معاشرت پر نہایت برا اثر پڑا۔ انسانیت اور تہذیب کی یہ انتہائی بد قسمتی تھی کہ دنیا کی زمام قیادت ان جاہل اور وحشی قوموں کے ہاتھ میں آگئی جو نہ کوئی آسمانی دین رکھتے تھے اور نہ کسی علم، تہذیب اور تمدن کے مالک تھے۔ اس کی قیادت میں کسی علمی و دینی ترقی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اور مسلمان ان کی غارت گری اور خون آشامی سے محفوظ و مصئون ہو گئے تھے اور اسلام حکمران طبقہ کا مذہب بن گیا تھا۔ لیکن ان جدید الاسلام تاتاریوں میں بہر حال دینی اور علمی قیادت اور اور اسلامی امانت کی صلاحیت کا فقدان تھا۔ اور اس صلاحیت کے پیدا ہونے کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی۔ چنانچہ اس وقت ایک تازہ دم، عالی ہمت اور مجاہد سیرت قوم کی ضرورت تھی جو اسلامی قیادت سنبھال کر مسلمان قوم میں ایک نئی زندگی پیدا کر دے۔

حق تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہے۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ کے بعد آٹھویں صدی میں عثمانی ترک منظر عام پر آئے۔ شروع میں تو ان کو کوئی اہمیت نہ دی گئی، لیکن جب ۱۳۵۲ء میں سلطان فاتح نے اپنی ۲۴ برس کی عمر میں بازنطینی سلطنت کے ناقابل تسخیر دارالسلطنت قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کر لیا۔ اس واقعہ نے انہیں دنیا کی نگاہوں میں اہمیت دلادی۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں ایک نئی امنگ اور نیا جوش پیدا ہو گیا۔ ان کا قسطنطنیہ کو فتح کر لینا جس کو مسلمان آٹھ سو سال کی بار بار کوششوں کے باوجود فتح نہ کر سکے۔ اسلامی سلطنت کی قیادت کے لئے ان کی قابلیت و قوت اور فنون جنگ و مہارت کی ایک مبین دلیل تھی۔ چنانچہ ایک مغربی دانشور (Baron Carre de Vaux) نے اپنی کتاب "مفکرین اسلام" کے پہلے حصہ میں سلطان محمد فاتح[1] کا تذکرہ کرتے ہوئے ترکوں کی فنون جنگ میں مہارت کو یوں بیان کیا ہے:

"یہ فتح محمد فاتح کو محض بخت و اتفاق سے حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کا سبب محض بازنطینی سلطنت کی کمزوری تھی۔ بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان بہت پہلے سے اس کے لئے ضروری انتظامات اور ضروری تیاریاں کر رہا تھا۔ اور اس کے زمانہ میں علم کی جتنی طاقت تھی، اس سے کام لے رہا تھا۔ توپیں اس وقت نئی نئی ایجاد ہوئی تھیں۔ اس نے کوشش کی کہ جتنی زبردست اور بڑی توپ اس زمانہ میں بن سکتی ہے بنائی جائے۔ چنانچہ اس نے اس کے

---

(1) سلطان محمد فاتح اسی بوسنیاء کے رہنے والے تھے جس کو آج عیسائی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے ہیں اور شاید فتح قسطنطنیہ کا انتقام لے رہے ہیں۔

لئے ہنگری (Hungry) کے ایک ماہر انجینئر کی خدمات حاصل کیں جس نے اس کے لئے ایک ایسی توپ بنائی جو تین سو کلو کا گولہ داغتی تھی اور اس کی مار ایک میل سے زیادہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس توپ کو کھینچنے کے لئے سات سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اور اس کے بھرنے کے لئے دو گھنٹے چاہیئے ہوتے تھے۔ جب سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے چلا تو اس کی قیادت میں تین لاکھ سپاہی تھے۔ اور زبردست توپ خانہ، اس کا بحری بیڑا جو قسطنطنیہ کا سمندر کی جانب سے محاصرہ کئے ہوئے تھا، ایک سو بیس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھا۔ اس نے اپنے اجتہاد سے یہ تجویز کیا کہ جنگی بیڑا کا ایک حصہ خشکی سے خلیج تک پہنچایا جائے۔ اس نے لکڑیوں پر چربی مل کر ستر جہاز قاسم پاشا کی جانب سے سمندر میں اتار دیے۔"

یعنی پوری جنگی تیاریوں اور اپنی پوری قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس نے بازنطینی حکومت کے اس ناقابل تسخیر شہر کو فتح کر لیا اور عیسائی دنیا کے قلوب پر اپنی سطوت و شکوہ کا سکہ بٹھا دیا۔ محمد فاتح سے یورپ اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اس کے انتقال پر پاپائے اعظم نے جشن مسرت منانے کا حکم دیا اور فرمان صادر کیا کہ تین دن تک مسلسل شکرانہ کی دعائیں پڑھی جائیں۔

(فلسفہ تاریخ العثمانی ص ۲۷۴)

سلطان محمد فاتح نے بھرپور فوجی قوت فراہم کی۔ چنانچہ بطرس اعظم کے معتمد نے ایک مرتبہ قسطنطنیہ سے قیصر کو لکھا تھا کہ "سلطان محمد فاتح بحر اسود کو اپنا گھر سمجھتے ہیں جس میں کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔" ترکوں کے بحری بیڑہ کا مقابلہ سارا یورپ مل کر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن شومیٔ قسمت سے سلطان محمد فاتح کے بعد ترکوں میں عین ترقی و عروج کے زمانہ میں تنزل اور انحطاط شروع ہو گیا اور تنزل شدہ قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ حکام اور سپہ سالار قوم و سلطنت سے غداری کرنے لگے۔ قوم میں راحت طلبی اور عالیت کوشی پیدا ہو گئی۔ آپس میں حسد و بغض کا نشو و نما ہوا۔ حکمران مستبد اور جابر ہونے لگے۔ اخلاق میں انحطاط شروع ہو گیا۔ اور سب سے بڑا مرض جو ان میں پیدا ہوا وہ جمود تھا۔ علم و تعلیم میں جمود اور فنون جنگ اور عسکری تنظیم و ترقی میں جمود۔ انہوں نے فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ کی اس وصیت کو یک قلم فراموش کر دیا کہ وہ یورپ کی حریف سلطنتوں اور قوموں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے مصر کے مسلمانوں کو فرمایا تھا:

"اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہو، اس لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیے کیونکہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں۔"

(تاریخ مصر، جرجی زیدان)

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ترک مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ اپنی جگہ پر جامد رہے اور یورپ کی دوسری قومیں ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔

ترکی کی مشہور فاضلہ خالدہ ادیب خانم نے ترکوں کے اس علمی و تعلیمی جمود کا بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

"جب تک دنیا پر مسلمین کے فلسفہ کی حکومت رہی ترکی کے علماء اپنا کام نہایت خوبی سے کرتے رہے۔ مدرسہ سلیمانیہ اور مدرسہ فاتح اس زمانہ میں تمام مروجہ علوم وفنون کے مرکز تھے، مگر جب مغرب نے کلام کی زنجیریں توڑ کر نئے علم وحکمت کی بنیاد ڈالی جس نے دنیا کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تو علماء کی جماعت معلمی کے فرائض انجام دینے کے قابل نہ رہی۔ یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علم جس مقام پر تیرھویں صدی میں تھا، وہاں سے اب تک آگے نہیں بڑھا۔ یہ طرز خیال انیسویں صدی کے وسط تک ان کے نظام تعلیم پر حاوی رہا۔ ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک کے علماء کا یہ طرز خیال جدید اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا۔ فلسفہ کلام یا علم کلام خواہ وہ عیسائیوں کا ہو یا مسلمانوں کا، یونانیوں کے فلسفہ پر مبنی تھا۔ اس پر کم و بیش ارسطو کے خیالات کا رنگ غالب ہے، جو ایک وثنی فلسفی تھا۔ یہاں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم مختصر الفاظ میں عیسائی علماء اور مسلمان علماء کے طرز خیال کا مقابلہ کریں۔"

پھر دو ایک صفحات کے بعد خالدہ ادیب خانم لکھتی ہیں:

"جب مغرب نے فطرت کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ تحلیل اور تجزیہ کے ذریعہ کرنا شروع کیا تو ارباب کلیسا کے ہوش اڑ گئے۔ ادھر نئے علمی طریقوں کی مدد سے بڑے بڑے انکشافات ہونے لگے اور اُدھر عیسائی علماء کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب کلیسا کی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ مغرب میں اس دور کا آغاز ہوا جس میں بڑے بڑے سائنس دان جو عالم طبیعی کے دائرہ کے اندر تحقیق میں مصروف تھے، قتل کر دیے جاتے تھے۔"

"سائنس اور مذہب کے خونریز معرکوں کے بعد آخر عیسوی کلیسا کو مصلحت شناسی سے کام لینا پڑا۔ اس نے اپنے مدرسوں اور مکتبوں کے نصاب میں سائنس کو داخل کر لیا۔ اس کی یونیورسٹیاں جو پہلے بالکل اسلامی مدارس کی طرح تھیں، سائنس اور علوم جدید کا مرکز بن گئیں۔ مگر اسی کے ساتھ اس نے مابعد الطبیعی فلسفہ کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ کے کم سے کم ایک حصہ پر بدستور باقی رہا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ادری نئے علوم پر عبور رکھتے تھے، اور نئے زمانہ کے نوجوانوں سے ہر موضوع پر بحث کر سکتے تھے۔

عثمانیوں کے یہاں علماء کی حالت اس کے برعکس تھی۔ انہوں نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ نئے خیالات کو اپنی فکر و میں داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ جب تک ملت اسلامی کی تعلیم کی زمام ان کے تھ میں تھی کیا مجال کہ کوئی چیز قریب آنے پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر جمود طاری ہو کر رہ گیا۔ ادھر دور مطاط میں ان کی سیاسی مصروفیتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کے جھمیلے میں پڑنے کی انہیں فرصت نہ ی۔ سہل نسخہ یہی تھا کہ ارسطو کے فلسفہ پر قدم جمائے رہیں اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں۔ چنانچہ اسلامی مدارس کا انیسویں صدی میں بھی وہی رنگ رہا جو تیرھویں صدی میں تھا۔"

(ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش از خالدہ ادیب خانم)

جب ترکی کا یہ حال تھا جو عالم اسلام کا قائد تھا تو دوسرے عرب اور اسلامی ممالک کا جو ترکی کے زیر اثر یا دست نگر تھے جو کچھ حال ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، گویا

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی ابھی ان ملکوں میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھیں۔ ایک فرانسیسی موسیو والنی

(Volney) نے (جس نے اٹھارویں صدی میں مصر کی سیر کی اور شام میں چار سال تک مقیم رہا) اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ:

"یہ ملک صنعت میں اس قدر پس ماندہ ہیں کہ اگر تمہاری گھڑی خراب ہوجائے تو غیر ملکی کے علاوہ کوئی درست کرنے والا نہیں ملے گا۔"

(زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، ڈاکٹر احمد امین، ص ۶)

صنعتی اور علمی میدان میں ترکوں کی پس ماندگی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ سولھویں صدی عیسوی سے قبل ترکی میں جہاز سازی کی صنعت شروع نہیں ہوئی تھی۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ترکی پریس و مطابع، حفظان صحت کے مراکز اور فوجی تعلیم کے نئے طرز کے مدارس سے روشناس ہوا۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک ترکی نئی ایجادات اور ترقیوں سے اس قدر بیگانہ اور ناآشنا تھا کہ جب قسطنطنیہ کے باشندوں نے دارالسلطنت پر ایک غبارہ (Baloon) کو پرواز کرتے دیکھا تو اس کو سحر یا کیمیا کی کرشمہ سازی سمجھے۔

اس کے مقابلہ میں نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ترکی سے اس میدان میں بازی لے چکی تھیں، بلکہ مصر بھی بعض مفید نئی چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کر چکا تھا۔ ترکی سے چار سال قبل مصر سے ریلوے کا نظام قائم ہو چکا تھا۔ ڈاک کے ٹکٹ بھی ترکی سے چند ماہ قبل مصر میں رائج ہو چکے تھے۔" (نئی ایجادات کی تاریخ ص ۹۶)

پھر ترکوں کا تنزل صرف حکمت و علوم نظریہ اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ان فنون حرب میں بھی جن میں انہیں پورے یورپ میں درجۂ امامت حاصل تھا، یورپ سے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ یورپ کی فوجوں نے ۱۷۷۴ء میں ترک افواج کو شرمناک شکست دی اور دنیا کو پتہ چل گیا کہ ترک جنگی طاقت میں یورپ کی عیسائی قوتوں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

اس شرمناک شکست سے ترکوں کی کچھ آنکھیں کھلیں اور انہوں نے چند یورپین ماہرین کی خدمات حاصل کر کے ازسر نو فوجی تنظیم و تربیت کا کام شروع کیا۔ لیکن کبھی مانگے تانگے کی چیزیں بھی کسی کا ساتھ دیتی ہیں۔ مانگے ہوئے بیل سے ایک بار کھیت میں ہل چلایا جا سکتا ہے لیکن اس سے زمین تیار کر کے اچھی فصل حاصل نہیں کی جا سکتی۔ یہی حال ان ماہرین فنون حرب کا تھا جو یورپ سے مانگے گئے تھے۔

ترکوں کے اس جمود کو دور کرنے کے لئے اصل قدم سلطان سلیم ثالث نے (جس کی تعلیم و تربیت قصر شاہی سے باہر ہوئی تھی) انیسویں صدی کے آغاز میں اٹھایا۔ اس نے نئے طرز کے مدارس اور کالج قائم کئے ایک انجینئرنگ کالج میں وہ خود جا کر پڑھاتا تھا۔ نظام جدید کے نام سے ایک نئی فوج کی بنیاد ڈالی اور ملک کے سیاسی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں۔ اس نے یہ سب کچھ کیا لیکن جس قوم اور سلطنت کے لئے سب کچھ کیا اس کے جمود کا یہ حال تھا کہ پرانی فوج نے بلوہ کر کے سلطان سلیم کو قتل کر دیا۔ اس اصلاحی مہم میں سلطان کے جانشین محمود ثانی اور سلطان عبدالمجید اول نے ترکی کے ترقی کی طرف کچھ قدم بڑھائے۔ لیکن ترکی نے انیسویں صدی میں جو ترقی کی یورپ کی عیسائی قومیں اس سے زیادہ ترقی کی منزلیں اٹھارویں صدی میں طے کر چکی تھیں۔

جب کہ بتایا گیا ہے کہ سولھویں اور سترہویں صدی ہی سے ترک علمی پس ماندگی اور انحطاط اور جمود کا شکار ہو

چکے تھے۔ جب ترک سو رہے تھے یورپ اس وقت اپنی لمبی نیند سے بیدار ہوا تھا اور ایک جوش و جنون کی حالت میں اٹھ کر غفلت اور جہالت کے اس طویل دور کی تلافی میں اپنی ساری توانائیوں کو کام میں لا رہا تھا۔ اس مدت میں اس کے ہاں ہر علم میں بڑے بڑے محقق اور موجد پیدا ہوئے۔ گلیلیو (Galilio) کوپر نیکس (Copernicus) برونو (BRUNOE) کیپلر (KEPLER) اور نیوٹن (NEWTON) وغیرہ وہ محققین تھے جنہوں نے مختلف انکشافات کر کے ہیئات اور طبیعات کا ایک جدید نظام پیدا کر دیا۔ علاوہ ازیں کولمبس (Columbus) میگلن (Maglin) اور واسکوڈی گاما (VASCO de GAMA) جیسے عالمی سیاح اور جہاز ران پیدا کئے جنہوں نے نئی دنیا اور نامعلوم ممالک دریافت کئے۔

اگرچہ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ صنعت اور مابعد الطبیعات میں یورپ کی یہ ترقی اسپین کے ان مسلمانوں کے ان علوم کی مرہون منت ہے جنہوں نے اسلام کے اس فکری انقلاب کی آبیاری کی جو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں پیدا کیا تھا۔ یہ عرب تہذیب تیرھویں صدی سے اٹلی کے راستہ یورپ پہنچنی شروع ہوئی اور بالآخر سترھویں اور اٹھارویں صدی کے یورپی انقلاب کا سبب بنی۔

جدید مورخین نے اس بات کو عام طور پر تسلیم کیا ہے کہ یورپ کی نشأۃ ثانیہ کا سبب اول (FIRST COSUSE) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کے وہ کارنامے تھے جو انہوں نے اسپین کی حکومت (711-1492) کے زمانہ میں دکھائے۔ چنانچہ بریفالٹ (BRIFFAULT) نے لکھا ہے کہ

"اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثرات موجود نہ ہوں، لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا اس طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیائے مخصوص اور مستقل قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ یعنی سائنس اور سائنسی طرز فکر"

اس کے بعد بریفالٹ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

It is highly probable that but for the Arabs, modern industrial civilization would never have arisen at all.

The Making of Humanity P.202

انتہائی اغلب ہے کہ عربوں کے بغیر جدید صنعتی تہذیب سرے سے وجود ہی میں نہ آتی۔

عباسی خلیفہ المامون کے زمانہ میں ہیئت اور جغرافیہ کے عالموں نے زمین کو گول فرض کرتے ہوئے اس کا محیط معلوم کر لیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے پاس آلات حساب کے نام سے صرف زاویہ ناپنے کا (Quadrant) اصطرلاب، دھوپ گھڑی اور معمولی گلوب تھے۔ اس قسم کی چند اشیاء کے ذریعہ زمین کا محیط (Circumfrence) معلوم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی چنانچہ اس مقصد کے لئے سنجار (Palmyra) کا وسیع میدان منتخب کیا گیا۔ ایک مقام پر قطب شمالی کی بلندی کے ساتھ زاویہ قائم کر کے شمال کی جانب جریب سے ناپنا شروع کیا۔ $56\frac{2}{3}$ میل شمال کی جانب جانے سے قطب شمالی کی بلندی کے زاویہ میں ایک درجہ کی لمبائی بڑھ گئی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جب ایک درجہ کی مسافت سطح زمین پر $56\frac{2}{3}$ میل ہے تو زمین کا کل محیط 20 (Circumfrence) ہزار میل سے زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ ہر نقطہ پر تمام زاویوں کا مجموعہ 360 ہوتا ہے اور 360 کو $56\frac{2}{3}$ میں ضرب دینے

سے 20401 میل فاصلہ برآمد ہوتا ہے۔ دوبارہ یہی تجربہ دریائے فرات کے شمال میں صرائے کوفہ میں کیا گیا اور دوبارہ وہی نتیجہ نکلا۔ یہ پیمائش حیرت انگیز طور پر قریب بہ صحت تھی کیونکہ موجودہ زمانہ میں صحیح ترین پیمائش کے مطابق زمین کا محیط (CIRCUMFRENCE) خط استواء پر 25 ہزار میل ہے۔ قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی کی تفصیلات کے لئے پروفیسر ہٹی کی کتاب History of the Arabs میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

بغداد کے بیت الحکمت سے سائنس اور مابعد الطبیعاتی علوم بغداد سے اندلس منتقل ہوئے بنو عباس کے زمانہ میں بغداد علوم و فنون کا مرکز تھا۔ دنیا بھر کے مختلف علوم کے ماہرین یہاں جمع ہو گئے تھے جو مختلف علوم پر ریسرچ کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

"بغداد کی لائبریریوں میں اس قدر کتابیں تھیں کہ جب تاتاریوں نے دریائے دجلہ کو عبور کرنا چاہا تو کتابوں کی ہزارہا گٹھڑیاں پانی میں پھینک دیں۔ بیشتر تو بہہ گئیں، لیکن کچھ بھاری ہو کر تہہ میں بیٹھ گئیں۔ ان پر اور گٹھڑیاں آتی گئیں، یہاں تک کہ دریا میں ایک پشتہ سا بن گیا جس پر تاتاری عساکر پیدل چل کر پار نکل گئے۔"

(تمدن عرب ص ۱۷۵، سید علی بلگرامی)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علوم کا کتنا بڑا ذخیرہ وحشی تاتاریوں کے ہاتھوں دریا میں بہہ گیا۔

اندلس میں اموی سلطنت کے زمانہ میں سائنس، صنعت اور مابعد الطبیعاتی علوم نے انتہائی ترقی کی۔ اندلس میں مسلمانوں کے علمی مراکز چار تھے۔

۱۔ قرطبہ۔ ۲۔ غرناطہ۔ ۳۔ اشبیلیہ اور ۴۔ طلیطلہ

ہر مرکز میں بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ ڈاکٹر ڈریپر (DRAPER) نے معرکہ مذہب و سائنس میں لکھا ہے کہ:

"اندلس کے صرف ایک شہر قرطبہ میں بہتر لائبریریاں تھیں جنہیں مسلمانوں کے زوال کے بعد متعصب عیسائیوں نے جلا دیا۔ صرف طلیطلہ میں وہاں کے بشپ زمینز (۸۹۷) (XMINESE) نے اسی ہزار کتابیں نذر آتش کی تھیں۔

(تشکیل انسانیت ص ۲۵۶)

ڈریپر نے ایک اور لائبریری کے بارہ میں لکھا ہے:

"مسلمانوں نے طرابلس میں ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی تھی۔ جس میں کتابوں کی تعداد تیس لاکھ کے قریب تھی۔ ایک مرتبہ صلیبیوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور اس نے تمام کتابیں جلا دیں۔"

(معرکہ مذہب و سائنس ص ۱۵۰)

جس وقت اندلس میں مسلمان تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے لحاظ سے بام عروج پر تھے تو اس وقت یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ انگلستان، فرانس اور جرمنی وغیرہ تہذیب و تمدن کی تمام سہولتوں سے محروم تھے۔ ان میں تہذیب و اخلاق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ چنانچہ ڈریپر ہی نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ:

"اسلامی عروج کا تعلق قرون وسطیٰ (جو پندرھویں صدی میں شروع ہوا) سے ہے یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں علم، تہذیب اور اخلاق کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ امراء کا کام عیاشی، بردہ فروشی اور مے نوشی تھا۔ بڑے بڑے

شہروں مثلاً لندن، پیرس اور برلن کی سڑکوں پر فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ رات کو روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جو شخص رات کو گھر سے باہر نکلتا، وہ عموماً کیچڑ میں لت پت ہو جاتا۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک دوم (۱۲۵۰-۱۲۱۲) پر کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔"

(معرکۂ مذہب و سائنس ص ۳۶۱)

مشہور یورپی دانشور رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) نے ان حالات کو یوں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے کہ:

"پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً گہری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی۔ اس دور کی وحشت اور درندگی زمانہ قدیم کی وحشت اور درندگی سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ رہی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس وغیرہ وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔"

(The Making of Humanity P.164)

غلاظت پسندی اور غسل سے اجتناب روز اول ہی سے عیسائی راہبوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ لیکی نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" میں اس کے کچھ نمونے حوالہ قلم کئے ہیں جن کو پڑھ کر نہایت تعجب ہوتا ہے۔ لکھتا ہے کہ سینٹ میکریس اسکندروی کی بابت مشہور ہے کہ وہ چھے ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا تا کہ اس کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں۔ نیز یہ کہ وہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتا تھا۔ اس کا مرید سینٹ یوسیبس قریباً دو من لوہے کا وزن لادے رہتا تھا۔ اور تین سال تک ایک خشک کنویں کے اندر مقیم رہا۔ ایک مشہور راہب یوحنا کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ برابر تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتا رہا۔ اس مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی وہ نہ بیٹھا اور نہ لیٹا۔ جب بہت تنگ جاتا تو ایک چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتا۔ بعض زاہد کسی قسم کا لباس استعمال نہیں کرتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلتے تھے۔ راہبوں کے مسکن علی العموم اس وقت مکانات نہیں ہوتے بلکہ وحشی درندوں کے غار، خشک کنویں یا قبرستان ہوتے تھے۔ اہل زہد کا طائفہ (جانوروں کی طرح) صرف گھاس کھاتا تھا۔ جسم کی طہارت روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی۔

سینٹ اتھینیس نہایت فخر سے کہا کرتا تھا کہ سینٹ انٹونی، اس بڑھاپے کے باوجود تمام عمر اپنے پاؤں دھونے کے گناہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ سینٹ ابرہام نے پچاس سالہ مسیحی زندگی میں اپنے چہرہ یا پاؤں پر پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی۔ راہب الیگزنڈر بڑے افسوس اور تحیر سے کہا کرتا تھا کہ ایک وہ زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف منہ دھونا حرام اور گناہ جانتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام جایا کرتے ہیں۔

غلاظت کو عیسائیت میں خاص مذہبی شعار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ڈریپر نے لکھا ہے۔

"جب اندلس میں اسلامی سلطنت کو زوال آیا تو فلپ دوم (۱۵۹۸-۱۵۵۶ء) نے تمام حمام اس لئے بند کر دیئے کہ ان سے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ اسی بادشاہ نے اپنے ایک گورنر کو اس جرم میں معزول کر دیا تھا کہ وہ

مسلمانوں کی طرح روزانہ ہاتھ پاؤں دھوتا تھا۔

جب کنسٹر بری کا لاٹ پادری باہر نکلتا تھا تو اس کی قبا پر جوئیں قطار در قطار نظر آتی تھیں۔ فقر وفاقہ کا یہ عالم کہ لوگ درختوں کی چھال اور پتے ابال کر کھاتے تھے۔

۱۰۳۰ء کے قحط میں لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت بھی بکتا تھا۔

(معرکہ مذہب وسائنس ص ۳۶۱)

فرانس کے ایک دریا ساؤں کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ہی دکانیں تھیں۔

(تشکیل انسانیت ص ۲۰۹)

جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے جو مسافروں کو لوٹتے یا انہیں ذبح کرنے کے لئے پکڑ لاتے تھے۔ یورپ کی یہ حالت مسلسل بارہ تیرہ سو برس رہی۔ گبن نے بالکل درست کہا تھا۔

"بدی کی یہ کثرت اور نیکی کی یہ قلت اتنی طویل مدت تک کہیں اور نظر نہیں آتی۔"

(معرکہ مذہب وسائنس وتاریخ زوال روما)

نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ یورپ کی اس حالت کو بیان کیا گیا ہے جو اس وقت تھی جب مسلمان سلطنتیں خصوصی طور پر اسلامی اندلس علوم وفنون کے بام عروج پر تھیں۔ اور یورپ کے لوگ انہیں حسرت ویاس سے دیکھا کرتے تھے۔ غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں اسلامی علوم اور مابعد الطبیعاتی علوم کی نشرواشاعت کر رہی تھیں۔ یورپی دانشوروں نے مسلمانوں کی اس وقت کی حالت کو یوں بیان کیا ہے:

"مسلمانوں نے سسلی میں نہریں کھدوائیں۔ دور دراز علاقوں سے پھلوں کے درخت منگوا کر باغات لگوائے۔ تعمیرات میں سرخ وسفید پتھر استعمال کیا۔ آرائشی طاقچوں، جالیوں اور مینا روں کو مقبول بنایا۔ محلات اور مساجد کو حسین کتبوں سے آراستہ کیا۔ ایک سو تیرہ بندرگاہیں بنائیں اور وہاں کے لوگ ہماری تہذیب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کا لباس اور تمدن اسلامی ڈھانچے میں ڈھل گیا۔"

"عورتیں بھی عربی لباس فخر سے پہنتی تھیں۔ جو قرطبہ، اشبیلیہ اور سسلی میں تیار ہوتا تھا۔ اشبیلیہ میں 16 ہزار تھے اور کرگھے میں ریشم باقوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ ان کی تیار کردہ عباؤں اور قباؤں پر قرآنی آیات بھی ہوتی تھیں۔ جنہیں عیسائی بادشاہ اور پادری فخر سے پہنتے تھے۔"

(رحلۃ ابن جبیر ص ۳۱۹)

اندلس کے مسلمانوں کی اس تہذیب، تمدن اور علوم وفنون نے وہاں کے مقامی باشندوں جن میں اکثر عیسائی تھے۔ اور باہر کی عیسائی سلطنت کے حکمرانوں اور عوام کو بھی بہت متاثر کیا اور جس طرح آج ہم مغربی لباس اور ان کی تہذیب، ان کے تمدن، ان کی زبان بلکہ ان کی ہر شے یہاں تک کہ ان کی برائیوں کو اپنانے میں ایک فخر محسوس کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اس زمانہ میں عیسائی رعایا، پادری اور حکمران طبقہ اسلامی تہذیب وتمدن، اسلامی لباس اور اسلامی زبان وغیرہ کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ رابرٹ بریفالٹ نے لکھا ہے:۔

"عربوں کے نفیس سوتی، اونی اور ریشمی لباس بغداد کے حریر وپرنیاں، موصل کی ململ اور طرابلس کی شیفون

نے یورپ کی نیم برہنہ آبادی کو عمدہ لباس کا شوقین بنا دیا تھا۔"

(تشکیل انسانیت ص ۲۶۸)

"ایک پادری گرجے میں اتوار کے دن خطبہ دے رہا ہے اور اس کی عبا پر قرآنی آیات کاڑھی ہوئی ہیں۔"

(تشکیل انسانیت ص ۲۶۹)

اندلس کا مشہور جغرافیہ دان ۱۱۸۴ء میں سسلی پہنچا تھا۔ وہاں کے بادشاہ ولیم دوم (۱۱۸۹-۱۱۶۶ء) کے بارہ میں اس نے لکھا ہے کہ:

"ولیم دوم عجیب و غریب آدمی ہے۔ اس کا سرکاری نشان "الحمدللہ حق حمدہ" ہے۔ اور اس کے والد (ولیم اول) کا "الحمدللہ شکراً لانعمہ" تھا۔ اس کے محل کے زرکار (طلائی کام کرنے والے) نے مجھے بتایا کہ جو عیسائی لڑکیاں شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں وہ مسلمان کنیزوں کی نیکی، پاکیزگی اور عبادت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتی ہیں۔"

(رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۰)

خلاصہ یہ کہ جس وقت یورپ غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ اسلامی ممالک جاگ رہے تھے اور علم کی روشنی میں ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے تھے۔ مہذب دنیا انہی کا نام تھا۔ ان کے علاوہ ساری دنیا غیر مہذب اور غیر متمدن تھی۔ چنانچہ ایک مغربی دانشور لکھتا ہے۔

"دسویں صدی عیسوی اور زمانہ مابعد میں ہمارا (یورپ کے لوگوں کا) تعلق مشرق کی فراست سے ہو جاتا ہے۔ ان صدیوں میں جو نسبت آج مشرق اور مغرب کی ہے، ہم اس کے برخلاف پاتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اکثر مشرقی اقوام مغربی تمدن کی قدر و قیمت کا اعتراف کرتی ہیں۔ اور اس کا اظہار تہہ دل سے بہت خوشامدانہ طریقے سے کرتی ہیں۔ مشرق کا باشندہ اس بات کو مانتا ہے کہ سائنس علم، حکومت، تنظیم اور پبلک سپرٹ مغرب میں پائی جاتی ہیں۔ دسویں، گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی کے یورپ میں صورت حالات اس سے بالکل مختلف تھی۔ مغرب کے باشندے کو یہ اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اسلام کے پاس معارف اور عہد قدیم کی سائنس ہے۔ اسلام کے اسلحہ اور نظم و نسق کی فضیلت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔"

(HEARN SHAW: MEDIAEVAL CIONTRIBUTION TO MODERN CIVILIZATION, LONDON, 1921,P.118)

سرزمین اندلس میں جب اسلامی علوم کا دریا بہہ رہا تھا تو یورپ کے تشنہ کام لوگ اس چشمہ صافی کے آب زلال سے سیراب ہونے کے لئے جوق در جوق اندلس میں وارد ہونے لگے۔ انہوں نے علم و فضل کا بیشتر حصہ یہیں سے سیکھا۔ گیارھویں صدی میں کانسٹانٹن (Constantine) شمالی افریقہ میں حصول علم میں مصروف تھا۔ وہاں سے اس نے بہت سی کتابیں جمع کیں، علم حاصل کیا اور اٹلی میں آ کر اس کی نشر و اشاعت کی۔ ادھر سوریا میں شہر باتھ (Bath) کا رہنے والا ایڈے لارڈ (Adelard) تحصیل علم میں مصروف تھا جو بعد میں جا کر عیسائی دنیا تک پہنچایا۔ اٹلی کے شہر پیزا (Pisa) کا رہنے والا ایک شخص لیونارڈ (Leonard) تھا جس نے یورپ میں موجودہ حساب کی بنیاد رکھی اور ان ہندسوں کو جنہیں یورپ عربی ہندسے کہتا ہے، وہاں پر رواج دیا۔ یعنی ایک سے دس تک ہندسے اور حساب کرنے کا طریقہ جو آج مروج ہے، یہ یورپ نے عربوں سے سیکھا۔ لیونارڈ نے اس طریقے کو شمالی افریقہ

کے عالموں سے اخذ کیا تھا۔
(Sedgwick and Tyler: A Short History of Science, New York, 1918, P.177)

مشرقی رومی سلطنت بیزن ٹائن (Byzantine) اس عہد میں قائم تھی۔ اس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔ یونان، بلغاریہ وغیرہ اس کے مقبوضات تھے۔ یہ عیسائی سلطنت چونکہ اسلامی سلطنت کے ساتھ ملتی تھی، لہذا باہمی آمدورفت کے ذریعہ کچھ عربی علوم عیسائی دنیا میں داخل ہو گئے۔

سسلی کا جزیرہ اٹلی کے نیچے اور شمالی افریقہ کے علاقوں الجیریا اور ٹرپولی کے اوپر بحرروم میں واقع ہے۔ یہاں مسلمانوں کی حکومت ۹۰۲ سے ۱۰۹۱ تک رہی۔ بعد میں نارمن لوگوں نے مسلمانوں کے اس جزیرے کو فتح کر لیا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کی کافی تعداد یہاں رہ گئی تھی۔ یہ مسلمان گردونواح کے علاقوں کے عیسائیوں کے استاد بنے اور ان کے ذریعہ بہت سا علم یورپ میں پہنچا۔
(Hearn Shaw: Mediaeval Contribution to Modern Civilization, London, P.121)

اور ہیسکن (Haskin) کے الفاظ میں

"تاہم وسیع نظر سے دیکھتے ہوئے یہ امر ظاہر ہے کہ ہسپانیہ کے عرب نئے علوم کو مغربی یورپ میں پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔"
(Haskins: Study in the History of Mediaeval Science, Cambridge, 1924, P.5)

ان سب چیزوں کے علاوہ یورپ میں اسلامی علوم و فنون سے آشنائی کا ایک بہت بڑا ذریعہ صلیبی لڑائیاں تھیں۔ ان لڑائیوں کا اثر یورپ کی دماغی ترقی پر بے اندازہ ہوا۔ چنانچہ مشہور مؤرخ سر ولیم میور (S.William Muir) لکھتا ہے!

"یہ صلیبی لڑائیاں ہی تھیں جن کی وجہ سے مغربی دنیا اپنے طویل خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی۔ انہی لڑائیوں کی وجہ سے تمام یورپ کے سلاطین ایک نکتہ پر مجتمع ہوئے جس کا مدعا اگرچہ شاندار تھا مگر غلط تھا۔ اس طرح سے ان کے دلوں میں تازہ سیاسی روح پیدا ہو گئی۔"

اس کا باعث براہ راست یا بے واسطہ اسلام اور اندلس ہی تھا۔

"تجارت اور بحری کاروبار میں ان کے سبب سے ترقی ہوئی۔ اس طرح سے ان لڑائیوں نے یورپ کی دولت اور ثروت میں اضافہ کیا۔ فنون لطیفہ میں تازہ روح پھونکنے کا سبب بنیں اور سائینس کے ایسے شعبوں مثلاً ہیئت، ریاضی، طب، عطاری اور تاریخ کی علمی حیثیت کا باعث بنیں۔
(W.Muir: The Mumluke or Slave Dynasty of Egypt, London, Iroduction, P. XXXI)

مشہور یورپی دانشور بیکر (Baker) نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ یورپ کے فنون اور ادبیات پر صلیبی لڑائیوں کے سبب اسلامی تمدن کا گہرا اثر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب نے اسلامی زبانوں کی تحصیل شروع کر دی اور مسلمانوں کے علوم کو ایک نئے لباس میں دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کیا۔"

(Baker: Under Crusades, The Legacy of Islam, Okford, 1931, P.64)

اسی طرح برڈو (Berdoe) نے بھی لکھا ہے کہ

"بڑی حد تک ان تمدنی سہولتوں کا سبب جو آج میسر ہیں، صلیبی لڑائیاں ہوئیں۔ ان کے سبب سے یورپ میں کئی علوم و فنون اور مختلف سائینسی علوم داخل ہوئے جنہیں ہم (یعنی اہل یورپ) ان کے بغیر کبھی نہ سیکھتے"

(Berdoe: The Healing Art, P. 319)

یہ جو کچھ اوپر کی سطور میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ اندلس میں مسلمان علماء اور فضلاء ان علوم پر کام کر رہے تھے اور اس کے بڑے مفید نتائج برآمد ہو رہے تھے۔ نہ صرف مسلم دنیا بلکہ غیر مسلم بھی ان علوم کے ثمرات سے بہرہ ور ہو رہے تھے۔ علم کے مختلف میدانوں میں یہ ترقیاں جاری و ساری تھیں کہ باہمی اختلافات اور اسلام سے دوری کے سبب اندلس میں مسلم خلافت کا نظام ٹوٹ گیا۔ اور سرزمین اندلس آٹھ سو سال مسلمان حکمرانوں کے زیر اثر رہنے کے بعد عیسائی فرمانرواؤں کی آغوش میں چلی گئی۔ سبز ہلالی پرچم کی جگہ وہاں اب صلیب کا پرچم لہرانے لگا۔ غرناطہ، طبہ، اشبیلیہ اور طلیلہ کی یونیورسٹیاں جنہوں نے علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ اور ہر مذہب و ملت کا آدمی علوم کے ان چشموں سے سیراب ہو رہا تھا۔ نظام خلافت ٹوٹنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ اور انتظام سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔

دوسری جانب عرب خلافت بلکہ اسلامی خلافت کے اس گرتے ہوئے جھنڈے کو اب عثمانی ترکوں نے سنبھالا دیا۔ اس طرح سولھویں صدی عیسوی میں اسلام کی سیاسی نمائندگی کا مرکز اندلس سے ترکی کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہاں سے تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ عالم میں ایک نئے انقلاب نے جنم لیا۔

تاریخ کا یہ عجیب المیہ ہے کہ ایک شخص جو کسی لحاظ سے ایک مفید خدمت سرانجام دیتا ہے۔ وہی شخص کسی دوسرے پہلو سے بہت بڑی مصیبت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی ہے۔ ایک طرف تو اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے خلفائے راشدین کی فہرست میں ایک خلیفہ راشد (یعنی عمر بن عبدالعزیز) کا اضافہ کیا، لیکن مورخ اس خلیفہ کے نامہ اعمال میں اس بدبخت ناک غلطی کا اندراج بھی کرتا ہے۔ کہ اس نے اپنے زمانہ کے اہم سپہ سالاروں قتیبہ ابن مسلم اور محمد بن قاسم کو قتل کروایا اور موسیٰ بن نصیر کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا کر ذلت اور کسمپرسی کی موت مرنے پر مجبور کیا۔ جس کا نقصان یہ ہوا کہ ایشیا اور افریقہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی اچانک یک قلم رک گئی۔

قریباً قریباً یہی صورت حال عثمانی ترکوں کے ساتھ پیش آئی۔ ترکوں نے عین اس وقت اسلام کے جھنڈے کو سنبھالا دیا جب کہ اس کے کمزور ہاتھوں میں پہنچ کر گرنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کئی صدیوں تک یورپ کی عیسائی طاقتوں کے مقابلہ میں اسلام کی دیوار بنے رہے انہوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا جس کو آج تک ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ پھر اسی قسطنطنیہ کو انہوں نے اپنا دارالخلافہ بنایا جس سے بیک وقت وہ ایشیا اور یورپ کی نگرانی کرتے تھے کیونکہ وہ بحر اسود اور بحر ابیض کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے ایشیا اور یورپ کی خشکیوں کا نقطہ اتصال تھا۔ چنانچہ اس شہر کی اس فوجی اہمیت کے پیش نظر ایک موقع پر نپولین نے کہا تھا "اگر کبھی ساری دنیا کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوئی تو قسطنطنیہ ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ اس کا دارالسلطنت بنے۔"

(فلسفہ التاریخ العثمانی ص ۱۵۶)

اس اعتبار سے ان کی یہ خدمات ناقابل فراموش ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہی ترک ہیں جو اس حادثہ کا باعث بنے کہ مسلم دنیا میں ہونے والی سائنسی تحقیقات اور ریسرچ رک جائیں اور ان کا مرکز یورپ کی طرف چلا جائے۔ یہ غلطی انہوں نے اسلام دشمنی کی وجہ سے نہیں کی تھی۔ بلکہ اپنی نہاد ذہنی کی وجہ سے کی تھی۔ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے اور پوری دنیا میں اسلام کی بالادستی کے دل وجان سے خواہاں تھے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ترک انتہائی بہادر، شجاع اور حوصلہ مند تھے۔ لیکن ان کی کمزوری یہ تھی کہ وہ جاہل تھے۔ علمی تحقیق کے کام کی اہمیت نہ صرف یہ کہ وہ سمجھ نہیں سکتے تھے بلکہ اس کو وہ اپنے لئے ایک سیاسی خطرہ تصور کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علم کے بڑھنے سے رعایا میں ان کے حق میں وفاداری کم ہو جائے گی۔ جس طرح کہ ہمارے ملک میں بڑے بڑے جاگیرداروں کا اپنے علاقہ کے لوگوں کے بارہ میں خیال ہوتا ہے کہ اگر وہ پڑھ گئے یا علم سے آشنا ہو گئے تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے علاقہ میں کوئی علمی درسگاہ اور کوئی اسکول اور کالج بننے نہیں دیتے۔ اسی طرح ترک بھی یہ سمجھتے تھے کہ رعایا میں علم کی نشر واشاعت سے ان کے لئے اپنی رعایا کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس وجہ سے انہوں نے علمی کام کے ساتھ سخت غیر رواداری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ جب مسلم سیاست کا مرکز اسپین اور بغداد سے ترکی دارالخلافت میں تبدیل ہوا تو وہ لوگ بغداد اور اندلس کے مراکز سائنس میں تحقیق و جستجو کا کام کر رہے تھے۔ وہ وہاں سے منتقل ہو کر ترک دارالسلطنت آستانہ میں جمع ہو گئے۔ عباسی اور اندلسی خلفاء ان لوگوں کی بے حد قدر دانی کرتے تھے۔ انہوں نے ان کے لوپر درہم و دینار کی بارش کر رکھی تھی تاکہ وہ تمام دنیوی اور مادی علائق سے فارغ ہو کر تحقیق کا کام کر سکیں اور دنیا کی کوئی خواہش اور ضرورت ان کے اس کام میں حارج نہ ہو، لیکن ان کے مقابلہ میں عثمانی ترک ان کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر ان سے نفرت کرنے لگے۔ انہوں نے ان کی اس قدر حوصلہ شکنی کی کہ ترک حکومت میں ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آیا۔ چنانچہ یہ لوگ ترکی کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر اٹلی اور فرانس منتقل ہونا شروع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنسی اور علمی تحقیق کا کام مسلم دنیا سے نکل کر مغربی دنیا میں منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ ترکوں نے علم اور اہل علم کی جس طرح حوصلہ شکنی کی اس کی دردناک تفصیل تاریخ الحضارۃ العربیہ مولفہ محمد کرد علی شامی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مغربی دنیا اور یورپی ممالک پہلے ہی سائنسی علوم کے حصول کی ایک خاص تڑپ اپنے دل میں رکھتے تھے لہذا ان سائنس دانوں کی ان ممالک میں زبردست پذیرائی ہوئی۔ صلیبی جنگوں (۱۲۷۱-۱۰۹۵) میں مسلمانوں کے مقابلہ میں پوری قوموں کو شکست اس وجہ سے ہوئی تھی کہ مسلمان علم و فن میں ان سے بڑھے ہوئے تھے جب کہ تعداد میں مسلمان یورپی فوجوں سے کم تھے۔ ان جنگوں میں ابتداءً رومی فوجوں نے یونانی آگ (GREEK FIRE) استعمال کی جس سے مسلمان فوجوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ "یونانی آگ" ایک قسم کی پچکاری تھی جس میں آتش گیر کیمیائی مرکب بھر کر دشمن کی جانب پھینکا جاتا تھا اور وہ مرکب جہاں جہاں بھی گرتا آگ لگا دیتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلم سائنس دانوں نے ایک اور چیز ایجاد کی۔ اس میں روغن نفط (معدنی تیل) استعمال ہوتا تھا۔ اس کی مار یونانی آگ کے مقابلہ میں زیادہ دور تک تھی اور اس کا نقصان بھی یونانی آگ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور یہ اس کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب رہا۔

یورپ کے عیسائیوں نے جب صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی فوجوں کو پٹتے دیکھا اور انہوں

نے یہ سمجھا کہ ہماری فوجوں کی کثرت کے باوجود پے در پے شکست علمی پس ماندگی کی وجہ سے ہے تو قدرتی طور پر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی علمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ اب جو مسلم دنیا کے سائنس دان اور اہل علم ترکوں سے نالاں اور پریشاں ہو کر ان کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ان کے ساتھ زبردست تعاون کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں علمی تحقیق اور ریسرچ کا کام دگنی شدت کے ساتھ ہونے لگا جو اس سے پہلے مسلم دنیا میں ہو رہا تھا کیونکہ یورپی قومیں جلد از جلد اپنی علمی پس ماندگی دور کر کے مسلمانوں سے اپنی صلیبی جنگ کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا چاہتی تھیں۔ چنانچہ سولھویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک قریباً تین سو سالہ عمل کے نتیجہ میں یورپ میں وہ انقلاب آیا جس کو سائنسی اور صنعتی انقلاب کہا جاتا ہے۔

مغرب کی سائنسی ترقی میں مسلمانوں کے حصہ کے بارہ میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) کی کتاب (Making of Humanity)

یورپ میں اب ایک صنعتی انقلاب آیا۔ کس وجہ سے، عربوں کی جہالت کی وجہ سے۔ اور سولھویں صدی تک مسلمان علم کے جس میدان میں استادی کے مقام پر تھے۔ اس کے بعد کی صدیوں میں یورپ نے علمی میدان میں جو ترقیاں کیں اس نے مسلمانوں کو شاگردی کے مقام پر پہنچا دیا۔ اور مسلمان خود اپنی لائی ہوئی انقلابی دنیا میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے۔ اس صنعتی انقلاب سے اب انہوں نے مسلمانوں سے ان کی عظمت اور ان کے اقتدار کو چھینا۔ ان کی تہذیب اور ان کے مذہبی شعائر پر حملے کئے اور وہ وہ کمینہ حرکات کیں جن کی قلم کو تاب نگارش نہیں۔

آخر میں ایک سوال کا جواب دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب تمام سائنسی علوم کا مبداء اسپین تھا۔ وہیں ان علوم کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں تھیں۔ وہیں سے ان علوم کے سوتے پھوٹے جس نے تمام یورپ کو سیراب کیا۔ مارٹن لوتھر نے وہیں سے تعلیم حاصل کر کے پاپائے اعظم کے خلاف بغاوت کی۔ پھر جب اسپین میں مسلم خلافت ختم ہوئی اور وہ تمام علوم جرمنی، انگلستان اور فرانس وغیرہ میں منتقل ہوئے اور ان علوم کی تحصیل کے بعد یہ ممالک ترقی کی دوڑ میں بہت آگے نکل گئے۔ اسپین ان کے مقابلے میں کیوں پیچھے رہ گیا۔ وہ بھی اب آخر یورپ کا حصہ ہے اور اس پر حکومت کرنے والے بھی یورپین ہیں۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ جب مغربی لوگوں نے مسلم خلافت کی قبا پارہ پارہ کر کے اسپین پر قبضہ کر لیا تو وہ ان یونیورسٹیوں اور لائبریریوں سے دوسرے ممالک سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔ ان ماہرین علم و فن کی خدمات حاصل کر کے ان علوم و فنون کو اور زیادہ ترقی دیتے اور اپنے ملک کی فوقیت کو مغرب کے دوسرے ممالک پر قائم رکھتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں جن میں دو بڑی وجہیں یہ ہیں۔

۱۔ اسپین کے عیسائی فاتحین نے اسپین پر تسلط جمانے کے بعد قریباً تمام کتب خانے نذر آتش کر دیئے بلکہ ان تمام آثار کو مٹا دیا جن میں اسلامی جھلک نظر آتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ حکم دیا گیا کہ تمام مسلمانوں کو جبراً سرزمین اندلس سے نکال دیا جائے۔ اور جو رہنا چاہیں وہ صرف اور صرف عیسائی بن کر رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کا نہایت بے دردی کے ساتھ قتل عام کیا گیا۔ کچھ کو زبردستی عیسائی بنایا گیا اور بے شمار لوگوں کو خود جہازوں میں بٹھا کر ملک بدر کر دیا گیا۔ چنانچہ ۱۸۳۳ء میں آخری مرتبہ کوئی دو لاکھ آدمی اسپین سے خارج کر دیئے گئے۔ اگرچہ اس

سے پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہی کام ہو چکا تھا۔ ان میں وہ مسلمان بھی تھے جو کسی طرح تبدیل مذہب پر راضی نہ ہوتے تھے۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے مذہب تبدیل کر لیا اور کہا کہ ہم عیسائی ہو گئے ہیں۔ مگر عیسائی حکومت نے ان کے اس دعویٰ کو نہ مانا اور انہیں بھی ملک بدر کر دیا۔

(Campbell: Arabian Medicine, London 1926, Vol.1, Page 198)

اسلام سے ان لوگوں کو نفرت تو پہلے ہی تھی۔ اب اس پر عمل بھی ہونے لگا۔ اکثر کتابوں کا ضیاع صرف اس تعصب کی وجہ سے تھا کہ وہ مسلمان علماء کی کتابیں ہیں، انہیں جلا دیا گیا۔ کچھ علمی کتابیں مسلمان علماء اپنے ساتھ دوسرے ملکوں میں لے گئے۔ اور کچھ بچی کھچی کتابیں اندلسی عیسائی حکومت نے خود دوسرے ممالک میں بھیج دیں۔ ان ملکوں نے ان کتابوں سے علمی استفادہ کیا۔ بعد میں اگرچہ طلیطلہ میں ایک دار الترجمہ قائم کیا گیا لیکن اس کے قیام میں اتنی دیر کی گئی کہ دوسری اقوام ترقی کی شاہراہ پر میلوں آگے نکل چکی تھیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عیسائیوں کے قبضہ میں آنے کے بعد اسپین میں ایسا دور آیا کہ مذہبی انجمنوں اور سیاسی کشمکشوں کا ہنگامہ پورے ملک میں گرم رہا اور کسی کو فرصت ہی نہ ملی کہ وہ علمی تحقیقات کی طرف توجہ کرتے۔ کیونکہ علمی ترقی کے لئے تسکین قلب، آسائش ذہن اور سیاسی اطمینان کا میسر آنا نہایت ضروری ہے۔ تاریخ عالم کی ورق گردانی سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سیاسی اطمینان اور ذہنی اور قلبی سکون میسر آنے کے بعد ہی اقوام عالم نے علمی ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ اس کے ساتھ بعض لوگ خوش قسمتی یا اتفاقات زمانہ کو بھی ایک ضروری عنصر خیال کرتے ہیں۔ یہ عنصر بھی اسپین کے حصہ میں نہ آیا۔ ان وجوہات کی بنا پر اسپین ترقی کی اس دوڑ میں یورپ کے دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں بہت پیچھے رہ گیا اور ابھی تک بہت پیچھے ہے۔

یہ تھا وہ نقصان جو عثمانی ترکوں کے ہاتھوں عالم اسلام کو پہنچا۔ اگرچہ یہ بدنیتی سے نہ تھا لیکن نقصان آخر نقصان ہوتا ہے۔ اور مسلمان آج تک اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکا۔ اسی وجہ سے مسلمان ملت آج تک سائنسی علوم میں تنزل و انحطاط سے دوچار ہے۔

بقیہ از ص ۲۶

اور پھر ان کے جواب میں ناصبیوں و خارجیوں نے میٹھے اور کڑوے انداز میں حضرت حسینؓ کی کردار کشی کر کے نہ جانے کتنی کربلاؤں سے ان کو گذار دیا بس یہی ہے حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ابو مخنف کی دروغ گوئیوں پر یقین نہ کر کے اسے رد کرنے اور حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کے حقیقی پس منظر اور پاک مقصد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دو بزرگ صحابی

جو دار ارقم میں ایمان لے آئے

۱- عمار بن یاسر رضی اللہ جو مصر میں شہید ہوئے

۲- سیدنا صہیب رومی جو تاریخ اسلام کے پہلے عبوری خلیفہ بنے۔

دو اللہ کے بندے ایک ہی جگہ کے رہنے والے تھے لیکن ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہ تھا وہ جگہ وادی الحیوا تھی! تھے بڑے خوش قسمت۔ ان کی زندگی میں ایک مرتبہ.....

یکایک ہوئی طیرت حق کو حرکت
بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

اس آواز حق سے یہ بیکس و مجبور اس درجہ متاثر ہوئے کہ ایک دن بے اختیار اپنے اپنے گھر سے نکل پڑے۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔

پاک دل و پاکباز

تھوڑی دیر میں چشم فلک نے دیکھا کہ خانہ کعبہ سے قریب کوہ صفا کے دامن میں دو آدمی کھڑے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی نظر بچا کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مشتبہ نظروں سے! ہر نظر ایک سوالیہ نشان تھی۔ کہ تم یہاں کہاں اور کیسے؟ دونوں کی منزل ایک ہی تھی لیکن دونوں ایک دوسرے سے خائف تھے۔ بڑا براوقت گزر رہا تھا۔ دونوں اس انتظار میں تھے کہ ایک وہاں سے ٹلے تو دوسرا اپنی منزل کی طرف آگے بڑھے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی وہاں سے ٹلنے کا نام نہ لیتا تھا۔ نظریں بچا بچا کر اس طرف دیکھ رہے تھے جو منزل مقصود تھی۔ اور دل ہی دل میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ آخر یہ انتظار کتنا لمبا کھنچتا طبقات اور اصابہ کی روایت ہے کہ ان میں سے ایک سے رہا نہ گیا۔ اس نے دوسرے سے پوچھا۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ دونوں کی نظریں ایک ساتھ دار ارقم کی طرف اٹھیں جس میں ان دنوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رہا کرتے تھے۔ اسی آستانہ مبارک میں حاضری دینے کے لئے دونوں آئے تھے۔ احتیاط تو دیکھیے کہ اب بھی دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے دل کا بھید نہ بتایا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ اس زمانے میں مسلمان ہونا موت سے جنگ کرنا تھا۔ کافر برابر ٹوہ میں لگے رہتے تھے۔ نت نئے ظلم توڑتے تھے۔ اس لئے یہ رازداری تھی۔ ایک ہم ہیں جنہیں ہر عافیت حاصل ہے لیکن ہم میں دین کی لگن ہی نہیں خیر چھوڑیئے اس بحث کو۔ ان دو امتیوں میں سے ایک نے پوچھ ہی لیا تو دوسرے نے کہا کہ..... میں یہاں

کیوں آیا ہوں تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ دونوں ہی غلام تھے۔ اس لئے اور بھی زیادہ محتاط تھے۔ پہلے نے سوچا جو ہو سو ہو، انتظار کی اس کشمکش سے تو نجات پانا چاہیے اس لئے بولا..... جناب! میں تو اس لئے آیا ہوں کہ دار ارقم میں جاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنوں!..... یہ عمار بن یاسر تھے۔ ایمان اور اسلام کے لئے بڑی مصیبتیں انہوں نے اٹھائیں۔ یہ الفاظ حضرت عمار کی زبان سے نکل رہے تھے اور دوسرا ایک ایک لفظ پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ عمار کی بات ختم ہوئی تو وہ جھٹ سے بول پڑا..... خوشا اے دوست! میں بھی اسی ارادے سے آیا ہوں!..... یہ صہیب رومی تھے۔ پھر دونوں مسافران راہ محبت مل کر اندر گئے اور ساتھ ہی ایمان لے آئے۔ اسد الغابہ میں حضرت یحییٰ بن معین کی روایت ہے کہ حضرت عمار کہتے تھے..... جب ہم لوگ ایمان لے آئے تو اس وقت صدیق اکبرؓ جنکے علاوہ دو عورتیں اور پانچ غلام ایمان لا چکے تھے۔ بچوں کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے۔ حضرت مجاہد کا کہنا ہے پہلے سات مسلمانوں میں صہیب اور عمار شامل ہیں۔

دو عورتوں سے مراد سیدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ام الفضل ہیں۔ جو حضرت عباس کی شریک حیات تھیں۔ عام خیال یہی ہے کہ انہی کے ساتھ حضرت عباس بھی ایمان لے آئے تھے لیکن اس کا اعلان فتح مکہ کے وقت ہوا۔

بچوں سے مراد حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں صاحبزادیوں (حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم) کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ حضرت زینب بنت رسول اکرم اور حضرت علی کی عمر ایک محتاط اندازے کے مطابق اسوقت دس برس کی تھی۔

بنات رسول

سورۃ الاحزاب میں بنات رسول کا تذکرہ آیا ہے۔ یہاں ان کے مقام کی درجہ بندی بھی کر دی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے.....

قل لازواجک وبنتک ونساء المومنین ــــ (۵۹)

اپنی بیویوں اپنی صاحبزادیوں اور تمام مسلمانوں کی بیویوں سے کہہ دیجئے امت کی عورتوں میں سب سے بڑا درجہ اللہ کے رسول کی بیویوں کا ہے پھر بیٹیوں کا اور ان کے بعد عام صحابیات کا نمبر آتا ہے۔

اسی سورۃ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو گھر والیاں فرمایا گیا ہے۔ آیت تطہیر انہی کے لئے نازل ہوئی اور اس کا افتخار انہی کو حاصل ہے۔ اٹھائیسویں آیت میں ارشاد ہوا۔

یاایھا النبی قل لازواجک۔

کہ اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے..... اور ایک آیت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے براہ راست نبی کی بیویوں سے خطاب فرمایا ہے۔

ینساء النبی

اے نبی کی بیویو! اس کے بعد کی آیت میں بھی یہی خطاب دہرایا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی آیت تطہیر ہے۔

انما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا

اے نبی کی گھر والیو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو ہر برائی سے پاک رکھے اور کیا ظاہر و کیا باطن تمہیں پاک و صاف رکھے۔

ابتدائی غلام

ابتدائی غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ ہیں پھر حضرت خباب بن ارت کا نمبر ہے جنہیں ابن سعد نے سادس الاسلام کہا ہے۔ چھٹا مسلمان!

ان کے بعد حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت صہیب۔ حضرت عمار کی والدہ حضرت سمیہ اور ان کے شوہر یاسر کا نام آتا ہے۔ حضرت یاسر نے اپنے بیٹے کے بعد ایمان قبول کیا تھا۔ حضرت عامر بن فہیرہ کا اسلام بھی اس زمانے کا ہے۔ یہ صدیق اکبر کے خاص آدمی تھے۔ انہیں رفیق دم ہجرت بننے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

حضرت سالم نے بھی ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔ ان کے آقا ابو حذیفہ بھی ساتھ ہی ایمان لے آئے۔ وہ اس زمانے میں مکے ہی میں مقیم تھے۔

ابو فکیہہ بھی ابتدائی ایمان لانے والے غلاموں میں شامل ہیں۔ الاصابہ (حصہ دوم) میں ہے وہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ ان پر بھی شدید مظالم توڑے گئے تھے۔ حضرت ابوبکر نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا تھا۔

اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد کیا تھی اس کے بارے میں بھی مختلف بیانات ملتے ہیں۔ محتاط اندازہ ہے کہ اس زمانے میں جب اللہ کے رسول دار ارقم میں فروکش ہوئے ہیں مسلمانوں کی تعداد ۳۹ تھی۔ حضرت عمر ایمان لے آئے تو یہ تعداد چالیس ہوئی۔ اس وقت تک حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت طلحہ، حضرت جعفر طیار حضرت زبیر بن العوام، حضرت خالد بن سعید، حضرت عفیف کندی، حضرت عثمان، حضرت عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ بن الجراح، عبیدہ بن الحارث، عبدالرحمٰن بن عوف۔ ابو سلمہ، مصعب بن عمیر، ارقم بن ارقم، وغیرہ اسلام لا چکے تھے۔ عمرو بن عبد اور ابوذر غفاری کا اسلام لانا بھی حضرت عمار سے پہلے ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بہت سے صحابہ کرام نے اپنے اسلام لانے کا اعلان بھی کیا تھا اور دعوت تبلیغ راز میں ہو رہی تھی۔

وانذر عشیر تک الاقربین

کا حکم اسی زمانے میں آیا اور اعلان عام ہوا۔

پہلی ہجرت پر جانے والے مسلمانوں میں گیارہ مرد اور پانچ خواتین شامل تھیں۔ حضرت عمر کے ایمان لانے سے دار ارقم میں مسلمانوں کی تعداد اگر چالیس ہوئی تو وہ مہاجرین حبشہ کے علاوہ تھی۔

حضرت عمار

ابو حذیفہ مخزومی نے یاسر کو آزاد کر دیا تھا لیکن عمار غلام ہی سمجھے جاتے رہے۔ حضرت عثمان اور حضرت مصعب بن عمیر جیسی شخصیتیں جو امیر کبیر گھرانوں میں پیدا ہوئیں مظالم سے نہ بچ سکیں تو غلام بیچارے کیا حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت خباب اور حضرت بلال کی طرح حضرت یاسر بھی دنیا کا یہ ظلم سہتے رہے اور نت نئے ستم اٹھاتے رہے مگر ایک لمحے کے لئے دل ایمان سے خالی نہ ہوا۔ اللہ کے رسول نے ایک مرتبہ آل یاسر (یاسر،

سمیہ اور عمار) کو مشرکین کے ہاتھوں سخت جسمانی عذاب میں مبتلا دیکھا تو طبقات ابن سعد میں ہے ارشاد فرمایا۔ آل یاسر! صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔ اللہ نے تمہاری تکلیفوں کے بدلے میں تمہارے لئے جنت تیار رکھی ہے۔

سیدنا خباب بن ارت اور سیدنا بلال کی طرح ایک مرتبہ حضرت عمار کو بھی دہکتے سلگتے انگاروں پر لٹایا گیا۔ اتفاق سے مشرکین مکہ جہاں یہ جان لیوا ستم ڈھا رہے تھے وہاں اللہ کے رسول پہنچ گئے۔ حضرت عمار کے سر پر ہاتھ پھیرا اور زبان مبارک سے نکلا۔ اے آگ! ابراہیم کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا اللہ کے رسول کے ذہن میں اس وقت سورۃ الانبیاء کی وہ آیت تھی جس کے الفاظ ہیں۔

قلنا یٰنارکونی برداً وسلماً علی ابراہیم

(اس وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ تو ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور خبردار کوئی نقصان نہ پہنچانا)

یاسر اسی عذاب میں جاں بحق تسلیم ہوئے۔ حضرت سمیہ کو ابوجہل نے جسم کے نازک ترین حصہ میں بھالا مار کر شہید کیا۔ حضرت عمار زندہ رہے اور ان کے پائے استقلال کو ذرا جنبش نہ ہوئی۔ ہجرت مدینہ کا موقع آیا تو صحیح بخاری میں ہے وہ مدینہ پہنچنے والی دوسری جماعت میں شریک تھے۔

حضرت عمار کو صحابی ہونے کی فضیلت حاصل ہے۔ وہ بیعت رضوان کی برکت میں بھی شامل ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر بھی حاضر تھے۔ تمام غزوات میں اللہ کے رسول کے ہمرکاب رہے۔ انہیں مسجد نبوی کی تعمیر میں حصہ لینے کا بھی شرف حاصل ہوا۔

ایک اور بہت بڑی فضیلت اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمت میں لکھی تھی۔ ہجرت کا سفر ختم کر کے اللہ کے رسول قبا کی بستی میں اترے اور جب وہاں سے چلنے لگے تو حضرت عمار نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہاں آپ کی آمد کی خوشی میں یہ مناسب ہوگا کہ ایک مسجد کی بنیاد رکھی جائے۔ اللہ کے رسول نے اس خیال کو پسند فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ حاکم نے (مستدرک جلد نمبر ۳) میں اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ محض پتھروں کی حد بندی تھی۔ اس مرحلے پر کوئی تعمیر نہیں ہوئی۔

مناصب

پہلی مسجد جو سرور کونین نے تعمیر فرمائی وہ مسجد نبوی ہی ہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں انہیں سن ۲۰ھ میں کوفے کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس موقع پر انہوں نے ایک فرمان جاری کیا جس کا ایک ایک لفظ حضرت عمار کی عظمت و جلالت کا ثبوت ہے۔

سیدنا حضرت عثمان غنی بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ حضرت عثمان کے دور میں جو غیر معمولی فتوحات ہوئیں اور مملکت اسلامیہ پاکستان بلوچستان اور سمرقند و بخارا کے آگے تک پھیل گئی دوسری طرف افریقہ یا شمالی افریقہ میں حضرت عمر کے دور خلافت کی فتوحات کو مستحکم اور مضبوط کیا گیا۔ اسی زمانے میں اسلام دشمن طاقتوں نے ایک سوچا سمجھا نقشہ بنایا اور آج کی اصطلاح میں سول سروس کے ملازمین اور عوام میں شورش پیدا کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر خفیہ اڈے قائم کئے اور بے دریغ روپیہ پیسہ بہا کر نوجوانوں کی بڑی تعداد کی تبدیلی ذہن

BRAIN WASHING کی مہم شروع کی۔ عبداللہ بن سبا اس تحریک کا بانی تھا اور ان دنوں کوفہ چھوڑ کر مصر میں آ ٹھہرا تھا۔ کوفے اور بصرے کی صوبائی سرحدوں کے تعلق سے بھی اس نے کوفے کو لوگوں کو بھڑکانے کا اہم سازشی کام کیا تھا۔ یہ تحریک زیر زمین کام کرتی تھی اور ان میں یہودی سرمایہ اور دماغ کام کر رہا تھا۔ عبداللہ بن سبا خود یہودی تھا جو مسلمان بن کر سامنے آیا۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے کہیں بڑھ کر اس نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ سیدنا حضرت عثمان نے اس تحریک کے اسباب معلوم کرنے کے لئے جو کمیشن بنایا ان میں جلیل القدر صحابہ کرام شامل تھے۔ حضرت طلحہ اس کے صدر تھے۔ حضرت عمار بن یاسر کو بھی ان کا رکن بنایا گیا اور کمیشن کے چار وفود بنا کر حضرت عمار کو خاص طور پر مصر روانہ کیا گیا جہاں عبداللہ بن سبا نے اپنا مستقر بنا رکھا تھا۔

یہی وہ تحریک تھی جس نے حضرت عثمان کی خلافت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی اور مدینتہ النبی کو شر و فساد کا اکھاڑہ بنا لیا۔ اس سے پہلے سازش کا سب سے اہم مرکز مصر تھا۔ حضرت عمار کی عمر اسوقت لگ بھگ نوے برس کی تھی طبری (جلد نمبر ۵ ص ۱۰۴) اور ابن خلدون (جزو نمبر ۲ صفحہ ۲۱۸) پر لکھا ہے کہ مصر میں باغیوں کے ایک گروہ نے عبداللہ بن سبا کی سرکردگی میں انہیں قتل کر دیا۔ ابن ملجم اس میں برابر کا شریک تھا۔

جنگ جمل جمادی الثانی ۳۶ ھجری میں ہوئی جب کہ حضرت عمار کو شہید ہوئے کوئی ایک برس گزر گیا تھا اس لئے جنگ جمل میں ان کی شرکت کے بارے میں جو واقعات ہیں وہ جھوٹے ہیں۔

حضرت عمار بلند و بالاقد کے چوڑے چکلے آدمی تھے۔ رنگ کالا لیکن آنکھیں بڑی خوبصورت تھیں۔ ان کی آمد پر ایک مرتبہ اللہ کے رسول نے فرمایا۔۔۔

مرحبا یالطیب المطیب

یا خوش آمدید اے پاکیزہ

دل و پاک نفس السان

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طنیت را

صہیب رومی

اوسط قد، نہ چھوٹا نہ بڑا، رنگ سرخ بلکہ خاصہ سرخ! سر پر گھنے بال تھے۔ زبان میں حضرت بلال کی طرح ہلکی سی گرہ پڑتی تھی۔ لکنت کی وجہ سے کوئی کوئی لفظ صحیح طرح سے ادا نہ ہو سکتا تھا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا مانگی تھی۔

واحلل عقدةً من لساني۔ يفقهو ا قولي۔

اے اللہ! میری زبان میں جو گرہ پڑی ہوئی ہے اسے نکال دے کہ تیرے بندے میری بات صاف صاف سمجھ سکیں!

علاقہ شام میں موصل کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں پیدا ہوئے۔ یہ جگہ فرات کے کنارے واقع ہے۔ اس زمانے میں یہ علاقہ ایران میں شامل تھا۔ کسرائے ایران نے ان کے بزرگوں کو اُبلّہ کا حکم بنایا تھا۔ طبقات ابن سعد

میں ہے چھوٹے ہی تھے کہ رومیوں نے اس علاقے پر حملہ کیا۔ بڑوں کے ساتھ بچے بھی پکڑے گئے اور صہیب رومیوں کے قبضہ میں آگئے اور انہی کے ساتھ رہے۔ رومیوں نے انہیں بنو کلب کے ہاتھوں بیچا۔ وہ انہیں مکہ لے آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب صہیب بولنے لگے تھے۔ مکے میں عبداللہ بن جدعان نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

ایک تفصیل یہ بھی آئی ہے کہ جوانی کی عمر تک رومیوں میں رہے پھر ان کے قبضے سے بھاگ نکلے مکہ آئے تو عبداللہ بن جدعان کے پاس رہ گئے۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی ثوبہ نے اللہ کے رسول کو دودھ پلایا تھا۔ حضرت حمزہ بھی اس کی گودی میں کھیلے تھے۔ جب مکے میں توحید کا پیام پھیلنے لگا تو ان کے کان ایک ایک بات سے آشنا ہوتے رہے۔ جن حالات سے گزرے تھے ان کی وجہ سے دیدہ ور بن گئے تھے۔ کچھ تو خود اسلام کی طرف کھچے اور کچھ سیدنا ابوبکر صدیق کے فیضان نے کام کیا۔ قسمت نے یاوری کی تو ایک دن پوچھتے پاچھتے دار ارقم پہنچ گئے۔ یہیں حضرت عمار سے ان کا ٹکراؤ ہوا اور یہیں دار ارقم کے درودیوار نے اس ایمان لانے والے کے بارے میں اللہ کے رسول کا یہ ارشاد سنا کہ۔۔۔۔ صہیب روم کا پہلا پھل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے مجھے خیال آتا ہے کہ نوجوانی کی عمر میں ان کے روم سے بھاگنے کی روایت زیادہ درست ہے۔

راہ خدا

مسلمان ہوئے تو مشرکین نے ساری دوستی سارے تعلقات بھلا دیئے۔ مار دھاڑ، گالی گفتار، چھینا جھپٹی، ڈنڈا ڈولی اس طرح کی ایذا رسانی شروع ہو گئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ سب مظالم برداشت کئے لیکن ڈٹے رہے۔ ہجرت کا حکم آیا تو تیار ہو گئے۔ خیال تھا کہ حضرت ابوبکر کے ساتھ ہجرت کریں گے۔ اس وقت تک حضور نے ہجرت نہ کی تھی۔ پھر معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی چلے گئے۔ اب حضرت صہیب نے بھی تیاری کی اور چل پڑے۔ مکہ سے ذرا ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ کافروں نے گھیر لیا۔ ابوعثمان نہدی کہتے ہیں حضرت صہیب اپنے ساتھ ساری جمع پونجی اور کچھ سامان لئے جا رہے تھے۔ کافروں نے انہیں راستے میں روک لیا اور کہا..... اچھا اب تم بھی چلے! حضرت صہیب نے جواب دیا..... ہاں! انہوں نے کہا..... یہ سامان کہاں لے چلے؟ جواب ملا..... جہاں میں جا رہا ہوں۔ بولے..... اپنی اوقات بھول گئے! یہ طنز اس لئے تھا کہ صہیب مکے میں داموں بکے تھے۔ ان کی سماجی حیثیت کچھ نہ تھی۔ جب ان کے مالک نے آزاد کر دیا تو انہوں نے محنت کر کے اپنی تجارت کو خوب بڑھایا اور خوب روپیہ کمایا۔ یہی نقد اور جنس اب وہ ساتھ لئے جا رہے تھے۔ کافروں نے کہا..... لات و عزیٰ کی قسم یہ نہ ہوگا۔ یہ سن کر حضرت صہیب اپنی سواری سے اتر پڑے۔ کندھے سے کمان لٹک رہی تھی۔ پیٹھ پر ترکش پڑا تھا۔ تیر نکالا..... چلے میں جوڑا۔ چلا کر بولے..... خبردار! جو تم میں سے کوئی آگے بڑھا۔ تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے اچھا تیر انداز ہوں۔ تم آگے بڑھے نہیں کہ میں نے تمہیں نشانہ بنایا۔ جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر ہے میں دیکھوں تم میں کون بہادر ہے جو میرا سامان چھین سکتا ہے۔ اور وہاں! یہ دیکھو پڑتلے سے تلوار بھی لٹک رہی ہے جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تلوار سنبھال لوں گا۔

کافروں میں آگے بڑھنے کی ہمت تو نہ تھی لیکن وہ مال چھوڑنے کو بھی تیار نہ تھے۔ سوال یہ تھا کہ یہ جھگڑا نمٹے گا کیسے؟ بڑی ردوکد کے بعد طے پایا کہ ہجرت منظور ہے تو مال سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ خدا اور رسول کی محبت کا

وزن بہت زیادہ تھا، آخر حضرت صہیبؓ نے سب کچھ چھوڑ دیا اور جسم کے کپڑوں سے یثرب کی طرف چلے۔

گلشن قبا

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں قبا میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت کلثوم بن ہدم کے مکان میں قیام تھا۔

یہاں پہنچے تو حضرت صہیبؓ نے اپنی روداد سنائی کہ تمام مال و دولت دے کر اپنی جان آپ ﷺ کی خدمت کے لئے بچا لایا ہوں۔ ارشاد ہوا۔ ابو یحییٰ! تمہاری تجارت فائدہ مند رہی۔ سورہ بقرہ کی چند آیتیں اسی موقع پر نازل ہوئیں۔ مطلب ہے۔۔۔ تم لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لئے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں اور اللہ (تو) اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ ابن سعد کا خیال ہے کہ سورہ بقرہ کی اس آیت کی شان نزول یہی واقعہ ہے۔۔۔

ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبا میں حضرت سعد بن خیثمہ کے مکان میں ٹھہرایا۔

حضرت صہیبؓ تاجر تھے۔ حضور اکرم ﷺ بھی تجارت فرماتے تھے۔ استیعاب میں ہے اس لئے حضرت صہیبؓ اس وقت سے آپ ﷺ کو جانتے تھے جب آپ ﷺ نے نبوت کا اعلان بھی نہیں فرمایا تھا۔ زندگی کے آخری دنوں میں وہ زمانہ یاد کر کے بہت خوش ہوتے اور اس تعلق پہ فخر کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا۔

عبوری خلیفہ

ستر برس کی عمر میں شوال ۳۸ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔ بقیع کے قبرستان میں دفن ہوئے حضرت صہیبؓ تین دن کے لئے خلیفہ بھی رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازے کی نماز صہیبؓ پڑھائیں اور جب تک شوریٰ کسی کو خلیفہ نہ بنائے اس وقت تک یہی سب کو نماز پڑھائیں۔ اسد الغابہ میں ہے تین دن تک یہ فضیلت انہیں حاصل رہی۔ ایک ایسا شخص امام اور امیر المومنین رہا جو نہ قریشی تھا نہ انصاری محض غلام! رنگ و نسل، حسب و نسب کے بتوں کو اسلام نے اس طرح توڑا کہ یہ امتیازات بے معنی ہو کر رہ گئے۔ احترام آدمیت کا یہ مقام دوسری قوموں نے آج بھی حاصل نہیں کیا۔

طبقات ابن سعد اور استیعاب میں ہے کہ اللہ کے رسول کے اخلاق کا انہوں نے گہرا مشاہدہ کیا تھا اور پوری کوشش کرتے تھے کہ اسوہ حسنہ پر رہیں۔ حضرت عمرؓ ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ان کے اوصاف و اخلاق کے بڑے قدر دان تھے۔ ایک دن دونوں دوستوں میں ایک دلچسپ مکالمہ ہوا:

حضرت عمر نے فرمایا۔۔۔ صہیب! تمہاری تین باتیں مجھے ناگوار گزرتی ہیں۔ ایک یہ کہ تم نے اپنی کنیت ابو یحییٰ رکھ لی ہے جبکہ اس نام کا تمہارا کوئی بیٹا نہیں۔ یحییٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے۔

حضرت صہیب نے جواب دیا۔۔۔ یہ نسبت مجھے بہت محبوب ہے۔ میں کبھی اسے نہ چھوڑوں گا۔ یہ اللہ کے

دل کی عطا کردہ کنیت ہے۔

سیدنا حضرت عمر نے دوسری بات یہ فرمائی کہ--- تم اپنا مال اس قدر خرچ کرتے ہو کہ اسراف معلوم ہوتا ہے۔

حضرت صہیب نے گزارش کی--- امیر المومنین! اللہ کا شکر ہے کہ میں اپنا مال بیکار ضائع نہیں کرتا۔ میرا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر مبنی ہے کہ--- تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو کھانا کھلائے اور سلام کا جواب دے!

صحیح بخاری میں ہے سیدنا حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ایک مرتبہ ایک تشریح چاہی تو ان سے پوچھا کہ--- تم اپنے آپ کو عرب کس طرح کہتے ہو؟

حضرت صہیب کا جواب تھا کہ--- میں حقیقتاً عربی النسل ہوں مجھے چھوٹی عمر میں رومیوں کے ہاتھوں قید و بند کی مصیبت اٹھانی پڑی۔ ظاہر ہے کہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو بھول گیا۔

اسد الغابہ میں ہے حضرت صہیب بڑی اچھی باتیں کرنے والے اور بڑے ہنس مکھ آدمی تھے۔ حاضر جوابی اور لطیفہ گوئی میں کم صحابہ ان کے مقابلے کے تھے۔ حضرت عمر ان کی ذہانت اور مجلس آرائی کی صفت کو پسند کرتے تھے۔

حضرت صہیب نے خاص طور پر اللہ کے رسول کا ایک اسوہ اپنایا تھا۔ وہ یہ کہ کہیں کسی کی دل آزاری نہ کرتے تھے۔ ان کی بذلہ سنجی میں بھی کبھی کسی کا دل دکھانے والی بات نہ ہوتی تھی۔

صحیح مسلم (جلد سوم) میں ہے ایک بار ارشاد نبوی ہوا کہ--- نعم العبد صہیب لولم یخف اللہ لم یعصہ

صہیب نیک بندہ ہے اگر وہ اللہ سے نہ ڈرتے تب ہی کوئی گناہ نہ کرتے۔

نیک بندہ

صحیح مسلم میں ہی حضرت سلمان فارسی کے تذکرے میں ہے کہ ایک مرتبہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ..... اگر تم نے ان میں سے کسی کو ناراض کر دیا تو اپنے رب کو ناراض کر دیا۔ اس موقع پر جو تین نام لئے وہ یہ تھے..... حضرت صہیب حضرت بلال اور حضرت سلمان فارسی! یہ تینوں ایک مرتبہ ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ وہاں سے ابوسفیان کا گزر ہوا جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ ان تینوں کی زبانوں سے نکلا کہ--- اللہ کی تلوار نے ابھی تک اس دشمن خدا کی گردن نہیں اڑائی۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ اس وقت ان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا--- وہ سردار قریش ہے اس کے بارے میں ایسی بات نہ کہو!--- انہوں نے اس بات کا تذکرہ اللہ کے رسول سے بھی کیا۔ اس موقع پر ان تینوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے یہ فقرہ ارشاد فرمایا تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ نے یہ سنا تو لوٹ کر ان کے پاس آئے اور معذرت کی تینوں نے کہا--- ہم ناراض نہیں ہوئے اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔

حضرت صہیب بن سنان تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آپ کے دائیں بائیں لڑتے کبھی آپ کو تنہا نہ چھوڑتے۔ دشمن آپ کے مقابل آتا تو اللہ کے رسول کی سپر بن جاتے۔ اللہ کے رسول بھی انہیں بہت چاہتے تھے۔

دیدہ ور

قلم قتلے

❁ میرے ایک ساتھی جو دوسروں کو نصیحت کرتے بالکل نہیں چوکتے۔ مگر ان کا اپنا کردار بالکل اُلٹ ہے۔ عمل کے لحاظ سے خالی ہیں۔ میرے اسی ساتھی نے اپنے دفتر کے میز والے شیشے کے نیچے قسم قسم کے اقوال، احادیث مبارکہ اور نصیحت آموز باتوں پر مشتمل تراشے رکھے ہوئے ہیں۔ مگر ان سب تراشوں کا رخ اپنی طرف نہیں۔ الٹی طرف ہے۔ یعنی آنے والا پڑھے اور خود انہیں جیسے ان باتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔

❁ ایک لڑکا کہہ رہا تھا میرے والد صاحب یوں تو بعض باتوں کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ مگر اسی بات پر عمل کرنے کیلئے میں کہوں تو اجازت نہیں دیتے۔ مثلاً ایک دن میرے والد صاحب کہہ رہے تھے کہ "اب کے جمیعت کے لڑکوں نے لاہور۔ ہیپی نیو ایئر کے موقع پر شراب میں دھت حرامزادوں اور مال زادیوں پر حملہ کر کے دل خوش کر دیا۔ خبر پڑھ کر بہت مزہ آیا" مگر مجھے پتہ ہے کہ اگر میں ان لڑکوں میں شامل ہونے کے لئے کہوں تو میرے والد صاحب کبھی آمادہ نہیں ہوں گے۔

❁ ایک ہمسائی دوسری کو اپنے بچے کی تعریف کرتے ہوئے بتا رہی تھی۔ "میرا بچہ ڈھائی سو کے بوٹ لے کر آیا ہے۔ اپنا جیب خرچ جوڑ جوڑ کر اس نے پیسے اکٹھے کئے ہیں۔" تو بچہ بولا۔ "میری کلاس میں ساٹھ ستر لڑکے ہیں۔ میں روزانہ کسی ایک کلاس فیلو سے کہتا۔ یار! میں اپنے پیسے گھر بھول آیا ہوں۔ کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ اس طرح جھوٹ بول کر میں نے اپنے پیسے بچائے اور بوٹ لے آیا۔"۔

❁ میرے اپنے کردار کا یہ عالم ہے کہ میں نے اگر کسی کے پیسے دینے ہوں۔ تو چن چن کر گلے سڑے نوٹ نکالوں گا حالانکہ مجھے یہ پتہ ہے کہ یہ گلے سڑے نوٹ میرے پاس بھی چل جائیں گے مگر برا ہو اس بد نیتی کا کہ میں جو چیز اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ دوسروں کے لئے پسند کرتا ہوں۔

❁ ہمسائے میں ایک شادی پر نماز عصر کے بعد باقاعدہ قرآن مجید کی تلاوت کی گئی۔ ایک "پاک بی بی" نے درس قرآن مجید بھی دیا۔ دعائے خیر کی گئی۔ مگر رات کو اسی جگہ بیٹھ کر ڈھولکی کی تھاپ پر گھر والے گانے گاتے رہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دن کو جس تھالی میں انہوں نے کھانا کھایا۔ رات کو اسی تھالی میں خلاظت چاٹتے رہے۔

❁ لاہور کے کاغذ سپلائی کرنے والے ایک ڈیلر نے مقامی دفتر سے اپنا چیک وصول کیا۔ بنک میں چیک کیش کروانے گیا تو دفتر کا سٹور آفیسر اس کے ساتھ تھا۔ جس کا تکیہ کلام ہی یہ ہے کہ "آخر ہم نے بھی اللہ کو جان دینی ہے۔ ہم نے بھی مرنا ہے۔" ڈیلر نے چیک کیش کروایا۔ اور رقم گن کر اس میں سے ایک لفافہ سٹور آفیسر کو دے دیا۔ بنک منیجر شیشے کے کیبن میں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سٹور آفیسر اپنا لفافہ لے کر چلا گیا۔ تو بنک منیجر نے

ڈیلر سے پوچھا۔ "یہ لفافہ کیسا تھا؟" ڈیلر نے جواب دیا "آخر ان کا بھی تو منہ کالا کرنا ہوتا ہے۔ جناب"

✿ اپنے خاندان کی ایک شادی کی وڈیو فلم دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ زرق برق لباس میں ملبوس۔ کشور ناہید۔ ثمینہ پیرزادہ۔ آغا سلمیٰ۔ عالیہ رشید اور مہتاب چنا بننے کے شوق میں۔ نیم برہنہ لباس میں چودہ سو سال پہلے کے کفار و مشرکین جیسا دو پاؤں والے جانوروں کا ایک بے ہنگم غول کھڑے ہو کر کھانے میں مصروف تھا۔ اسی میں دیکھا کہ ایک حسین عورت۔ دوپٹہ گلے میں اٹکائے زیور اور سولہ سنگھار سے آراستہ پیراستہ، رشتے میں اپنے ایک داماد کے منہ میں۔ دلربایانہ انداز میں لقمہ ڈال رہی ہے۔ ہنسی مذاق کر رہی ہے۔ ہائے! عورت کی جنسی آوارگی جو ایسے مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور بے باک ہو جاتی ہے۔ اس نے اپنی اس سفلی خواہش کی تسکین کے لئے خاندان کے ایک آزاد خیال نوجوان کو چنا...... کیا وہ ایسی ہی کمس گیدرنگ میں اپنے شوہر کے منہ میں اسی پیار اور شوخی سے لقمہ ڈال سکتی ہے؟ کیا آج کل کے ایسے نام نہاد اچھے گھرانوں کی شادی اور شاہ نور سٹوڈیو کے ایکٹر اور ایکٹرسوں کی کمس گیدرنگ میں کوئی فرق باقی رہ گیا ہے؟

(بقیہ مسافرینِ آخرت)

اراکین ادارہ پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مرحومین کے لئے دعا مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ (ادارہ)

قادیانیوں کے یہودیوں سے روابط اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں!
ایک تحقیقی کتاب جس کے کسی حوالہ کو کوئی مرزائی آج تک رد نہیں کرسکا۔
ابو مذثرہ
قادیان سے اسرائیل تک
قیمت =/60 روپے
بخاری اکیڈمی مہربان کالونی ملتان۔

مسجد احرار، ربوہ کا نیا فون نمبر
(04524) 211523 ~~886~~

طنز و مزاح

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات انکی

× عید کے روز ٹیلیویژن پر بے ہودہ پروگرام دکھائے گئے۔ (راجہ ظفر الحق)
پہلے کونسا اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے۔

× وزارت خارجہ کسی اور قوت کے اشارے پر ناچ رہی ہے۔ (حمید گل)
سردار جی نوں نہ چھیڑو۔ گل صاحب!

× پیٹ پر پتھر باندھ کر فوج کی ضروریات پوری کریں گے۔ (بے نظیر)
سنا ہے کہ ان کی کمر ہی نہیں ہے خدا جانے پتھر کہاں باندھتے ہیں!

× صدر کی تنخواہ ایک لاکھ سے بڑھا کر اڑھائی لاکھ اور وزیر اعظم کی آٹھ ہزار سے بڑھا کر بیس ہزار کر دی گئی۔
پھر بھی لوگ کہتے ہیں۔ ملازمین کی تنخواہ میں اضافہ نہیں ہوا۔

× سپریم کورٹ کی نئی عمارت کی پانچ افتتاحی تختیاں۔ (ایک خبر)
سستی شہرت اور چھچھورے پن کی حد ہے۔

× حضرت بلالؓ چوزے کی قربانی کرتے تھے۔ (محمد شعیب عادل)
چوزہ تیری بے بے دے سکے آوندی سی!

× سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس کھرل ٹریفک حادثہ میں جاں بحق۔ (ایک خبر)
اب قبر کی عدالت کا سامنا کریں گے۔

× اس سال ساٹھ فیصد کم کھالیں ملیں۔ (ایدھی)
عمران خان سے مقابلہ تھا۔ کارل مارکس صاحب!

× زمیندار کے گھر نوکری نہ کرنے پر غریب محنت کش کا گھر اجاڑ دیا گیا۔ (ایک خبر)
ان ظالم وڈیروں کو خدا خوار کرے انہوں نے پورا ملک اجاڑ دیا ہے۔

× نواز شریف نے وعدے پورے نہیں کئے۔ اس لئے علیحدگی اختیار کی۔ (سردار آصف)
اور بے نظیر آپ سے کئے گئے وعدے پورے کر رہی ہے؟

× سی آئی اے کا تھانیدار چوروں کا ساتھی نکلا۔ چار سپاہی بھی شامل تھے۔ (ایک خبر)
چوروں کی چاندی ہے۔ پاکستانی شہری کہاں جائیں!

× نیا سپہ سالار کون ہوگا؟
کوئی بھی ہو۔ پاکستان کا اللہ حافظ ہے۔

* ہائی کورٹ میں مجسٹریٹ کی پٹائی۔ (ایک خبر)

حسد سئے نیاواں!

* ملزم نے غلاظت کا بھرا ہوا شاپر عدالت میں اے سی کے منہ پر دے مارا۔ ایک خبر)

کھڑاک کیتا ای جوانا!

* ڈاکوؤں سے لوٹے ہوئے زیورات پولیس نے اپنے قبضے میں لے لئے۔ (ایک خبر)

ایک ہی بات ہے۔

* وزیر داخلہ نے غیر دانشمندانہ بیان دیا۔ (نصر اللہ)

آپ نے بھی بے نظیر کو اپنی لیڈر مان کر بڑی دانش مندی کا ثبوت دیا ہے۔

* آغا حسن عابدی کو ہسپتال داخل کرا دیا گیا۔ (ایک خبر)

حالانکہ کسی بنک میں جمع کروانا چاہیئے تھا!

* آٹے کی قیمت میں کمی۔ (ایک خبر)

چٹا جھوٹ!

* سابق دور میں بدمعاشوں کو تھانیدار بھرتی کیا گیا۔ (ایک خبر)

اور اب تھانیداروں کو بدمعاش بھرتی کر رہے ہیں۔

* خدا کے سوا کسی کے سامنے سر نہ جھکائیں۔ (صدر)

ایک عورت کے سامنے جھک جانے والے کی گفتگو!

* یہودیوں سے ہماری کوئی دشمنی نہیں۔ (سردار آصف)

تہاڈے پھپھڑ لگدے نے!

* ہم اپنے محسنوں کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ (بے نظیر)

پنڈت نہرو۔ راجیو گاندھی۔ سیگل۔ کلنٹن وغیرہ وغیرہ

* دہشت گرد ہم پر آخری وار کر رہے ہیں۔ (عبداللہ شاہ)

فتے منہ تہاڈا!

* گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین انتقال کر گئے۔ (ایک خبر)

ساری تہذیبی گھٹن ختم ہو گئی۔ اب قبر میں منی سینما لگے گا۔

* سابق برطانوی وزیر اعظم ہیرالڈ ولسن انتقال کر گئے۔ (ایک خبر)

کیا ہیرا، لڈو اور لہسن بھی انتقال کرتے ہیں؟

* حکومت کراچی کے حالات سدھارنے میں آخر کتنا وقت لے گی۔ (چٹھہ)

شرم تم کو مگر نہیں آتی!

• جیالا جرنیل لانے کی کوشش کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ (مشاہد)
کوئی بات نہیں۔ ضیا الحق کو بھی جیالا جرنیل سمجھ کر ہی آگے لایا گیا تھا۔
• ہم بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنا جانتے ہیں (میرانی)
میراثیوں کا ٹولہ اور جارحیت کا مقابلہ!
• شہید اختر اللہ کی فقیرنی ہے۔ (علن فقیر)
اور تم شیطان کی کھیرنی ہو!
• ساڑھے تین لاکھ اساتذہ ہڑتال پر چلے گئے۔ (ایک خبر)
پہلے کون سی تعلیم دے رہے تھے؟
• اکل! بے نظیر میرے ابو کو کب چھوڑے گی؟ (پیر نبیامین کی بیٹی کا پرویز الٰہی سے سوال)
امریکن سنڈی تو رس چوس کر ہی چھوڑتی ہے۔
• حکومت دینی مدارس کی تعداد معلوم کرنے کے لئے سروے کرنا چاہتی ہے۔ (نصیر اللہ بابر)
اور دینی مدارس، بار بروں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے سروے کرنا چاہتے ہیں۔
• تعلیمی شعبہ کو پہلی مرتبہ صحیح سمت فراہم کی۔ (وٹو)
بھرتی میں دھاندلی کے لئے وزیر تعلیم کو کھلی چھٹی دے دی۔
• ریشم سے میری زندگی کا گہرا تعلق ہے۔ (نصرت فتح علی خان)
اور ریشماں سے کیا تعلق ہے؟ شام چوراسی کے میرانی!
• ایوان میں تعینات دو پولیس اہل کار منگائی کا رونا رونے کے الزام میں معطل! (ایک خبر)
تہجد گذار عدالت کے سائے میں غریب پروری کی مثال!
• اکثر صنعت کار اور تاجر لٹیرے ہیں۔ (وزیر اعلیٰ سندھ)
ظالم جاگیردار اور سفاک وڈیرے بھی کم نہیں شاہ جی!
• ہمارے معاشرے پر ڈش انٹینا کے زہریلے اثرات بھی ہیں۔ (وسیم سجاد)
یعنی اسے دیکھ کر بیٹا بیٹی ایک ہو جاتے ہیں۔
• ہم نے وطیرہ بنا رکھا ہے کہ سرکار دے گی تو ہم کھائیں گے۔ (سردار آصف)
آپ صحیح کہتے ہیں آپ کا وطیرہ یہی ہے۔
• حکومت نے ملتان کی ابدالی مسجد کے سامنے شراب خانہ کھولنے کی اجازت دے دی۔ (ایک خبر)
تبلیغی جماعت والوں کے لئے کھلا چیلنج!
• معلوم ہے۔ دہشت گرد کہاں تربیت حاصل کرتے ہیں۔ (این ڈی خان)
تو آپ دانستہ لوگوں کو مروا رہے ہیں!

بقیہ ص ۶۰ پر

مدارس احرار اور مستقبل کے منصوبے

مجلس احرار اسلام، دینی انقلاب کی داعی جماعت ہے۔ یہ انقلاب دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کئے بغیر ممکن نہیں۔ اکابر احرار نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ یہ کام دینی مدارس میں ہی باحسن انجام دیا جاسکتا ہے۔ نئی نسل کی ذہن سازی اور تربیت کے لئے ان مدارس میں ایسا ماحول پیدا کیا جائے جو دینی انقلاب کی منزل کو قریب تر کر دے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے شعبۂ تبلیغ کے ساتھ ساتھ شعبۂ تعلیم بھی سرگرم عمل ہے اور درج ذیل مدارس تعلیم و تدریس میں مصروف ہیں۔

۱	مدرسہ ختم نبوت	مسجد احرار	ربوہ ضلع جھنگ فون: 211523
۲	بخاری پبلک سکول	"	"
۳	مدرسہ معمورہ	جامع مسجد ختم نبوت	دار بنی ہاشم، ملتان فون: 511961
۴	مدرسہ معمورہ	مسجد نور	تغلق روڈ، ملتان
۵	مدرسہ محمودیہ	مسجد المعمور	ناگڑیاں، گجرات
۶	دارالعلوم ختم نبوت	جامع مسجد چیچاوطنی	فون: 2112
۷	احرار ختم نبوت مرکز	مسجد عثمانیہ	چیچاوطنی
۸	مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	شہزاد کالونی صادق آباد
۹	مدرسہ ختم نبوت	مسجد ختم نبوت	نواں چوک، گڑھاموڑ
۱۰	مدرسۃ العلوم الاسلامیہ	جامع مسجد	گڑھاموڑ (وہاڑی) فون: 13
۱۱	مدرسہ ابوبکر صدیق	جامع مسجد ابوبکر صدیق	تلہ گنگ (چکوال)
۱۲	بستان عائشہ (برائے طالبات)		دار بنی ہاشم، ملتان فون: 511356
۱۳	مدرسۃ البنات (برائے طالبات)		گڑھاموڑ
۱۴	سادات اکیڈمی (برائے طلباء)		دار بنی ہاشم، ملتان
۱۵	مدرسہ احرار اسلام		بستی شام دین (قائم پور)
۱۶	مدرسہ احرار اسلام رحیمیہ		بستی گودڑی (حاصل پور)
۱۷	مدرسہ احرار اسلام		مسجد سیدنا علی المرتضیٰ، چکڑالہ، ضلع میانوالی
۱۸	مدرسہ و مسجد معاویہ	جھنگ روڈ	ٹوبہ ٹیک سنگھ

ان میں سے بعض مدارس اپنے اخراجات کے سلسلہ میں خود کفیل ہیں اور جماعت کی سرپرستی میں ہی کام کر رہے ہیں۔ جن مدارس کا کفیل مرکز ہے ان میں بامشاہرہ تعلیم و تدریس اور دیگر امور سرانجام دینے والے افراد کی کل تعداد ۲۰ ہے۔ ان مدارس کے اخراجات کا سالانہ بجٹ دس لاکھ روپے ہے۔ مستقبل کے تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری منصوبوں کی تکمیل پر تقریباً تیس لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ تعاون آپ کریں دعاء اور کام ہم کریں گے۔ اجر اللہ پاک دیں گے۔

ترسیل زر کے لئے: ابن امیر شریعت: سید عطاء المحسن بخاری، دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔
اکاؤنٹ نمبر 29932 حبیب بینک حسین آگاہی ملتان۔

پروفیسر عابد صدیق

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لوح پر حضرتِ حق کا جو کرم ہوتا ہے
سرنگوں اسمِ محمد پہ قلم ہوتا ہے۔

حرف توصیف میں تیری جو رقم ہوتا ہے
استعارات و معانی کا بھرم ہوتا ہے

کہکشاں دھول کی مانند ہے پیچھے پیچھے
جس جگہ تیری سواری کا قدم ہوتا ہے

بزمِ امکاں کی تیاری میں چھے روز لگے
تب کہیں جا کے محمد کا جنم ہوتا ہے

حامد و احمد و محمود و محمد لکھیے
ورنہ ہر لفظ میں اک پہلوئے ذم ہوتا ہے

دل پہ جو اُترے ترے عین کلامِ حق ہے
منہ سے جو نکلے وہ جبریل کا دم ہوتا ہے

ذکر سے تیرے ہوا دیتے ہیں اس شعلے کو
اثرِ عشق اگر سینے میں کم ہوتا ہے،

اے تری یاد سے غافل ہوں تو دنیا اندھیرا!
اے ترا ذکر نہ کر پائیں تو غم ہوتا ہے!

نطق کا شکر ادا ہونا تبھی ممکن ہے
تیری مدحت کا سلیقہ جو بہم ہوتا ہے

اہلِ ایماں کو بخشش کے لئے محشر میں
آسرا تیری شفاعت کی قسم ہوتا ہے

غزل

کیسے ممکن ہے حقائق بھی سرابوں میں ملیں
رحمتِ حق کے نشاں کیسے عذابوں میں ملیں

ساز و جداں سے سنو نغمۂ عرفان و یقیں
یہ وہ نغمہ نہیں جو تم کو ربابوں میں ملیں

تو خدا ہے، نہ میں معصوم رسولوں جیسا
پھر بتا کیسے یہ جلوے نہ حجابوں میں ملیں

وے کے غم ایسے ہوئے حشر تلک ہم سے جدا
اب ملے بھی تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں

وہ ہیں خود ایک چمن اور ادائیں خوشبو!
ایسی خوشبوئیں بھلا کیسے گلابوں میں ملیں

ان کا ارشاد ہے میں ٹوٹے دلوں میں ہوں مکیں
ہے مثل گنجِ گراں مایہ خرابوں میں ملیں

ضبط و فریاد کے مابین ہے صبر و غیرت
دل جلوں کے یہی آثار عتابوں میں ملیں

زندگی لاکھ مسلسل ہو، نہیں اسکو بقا
اسکی تمثیل و علامات ربابوں میں ملیں

راہِ لاہوت کے دیکھے وہ مسافر ہم نے
منزلِ حق کے نشاں جن کے رکابوں میں ملیں

صف نشیں ایسے، فرشتے بھی کریں جنکو سلام
ایسے انسان کہاں عالی جنابوں میں ملیں

نشۂ عشقِ محمد میں خدا ملتا ہے
یہ وہ نشے نہیں جو تم کو شرابوں میں ملیں

جسکو ایمان کی طلب ہے تو فقیروں سے ملو
یہ وہ نکتے نہیں جو تم کو کتابوں میں ملیں

غمِ دنیا میں غمِ دین بھی شامل کر لو
تاکہ دیدار و رضا تمکو ثوابوں میں ملیں

مجلس احرار کی تحریک آزادی کشمیر ۱۹۳۰ء کی نہایت دلچسپ روداد

احرار اور تحریک کشمیر

ماسٹر تاج الدین انصاری

بخاری اکیڈمی مہربان کالونی ملتان۔

قیمت =/10 روپے

غزل

دیکھا ہے جب سے چہرہ کسی ماہتاب کا
عالم نہ دیکھا جائے میرے اضطراب کا

ہم سوچتے رہے کہ کریں کونسا گناہ
آیا یہ مرحلہ نہ کبھی ارتکاب کا

پھولوں کے درمیاں سے جو گزرا وہ مہ جبیں
بے رنگ ہو کے رہ گیا چہرہ گلاب کا

کیا دوش دیں کسی کو ہم اپنا ہی تھا قصور
دل سے معاملہ تھا نظر کے سراب کا

کندہ ہے لوح جاں پہ تیرا اب بھی ہر سوال
میرا وجود، آئینہ میرے جواب کا

بستی میں رہنے والوں سے تو کچھ گلہ نہیں
احساں ہے مجھ پہ اپنے ہی اک ہمرکاب کا

دیوانہ وار راہ وفا پہ چلا ہوں میں
ٹھوکر پہ رکھ کے خوف عذاب و عتاب کا

دیوانگی میں ہے نہاں فرزانگی کی بات
کہ حرف حرف یاد جنوں کی کتاب کا

میں کر سکا نہ دل کو مقید دماغ میں
ہے میرے عقل و ہوش پہ قبضہ شباب کا

جو کچھ بھی ہو رہا ہے میرے اردگرد آج
سارا کیا دھرا ہے یہ عالی جناب کا

کرتا ہے اب بھی خالد خود سرجنوں کی بات
ہر سمت گرچہ شور ہے چنگ و رباب کا

خالد شبیر احمد

حرفِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

سید محمد ذوالکفل بخاری

کتاب : چراغِ محمد

مرتب :- مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ / ضخامت : ۶۳۴ صفحات / قیمت : ۳۰۰ روپے،

ناشر : دارالارشاد، مدنی روڈ، اٹک شہر، پاکستان

بزرگوں کا ادب تو ہم سب کرتے ہیں۔ اپنے اپنے انداز میں۔ اپنے اپنے بزرگوں کا! لیکن وہ جو اردو کا ایک پرانا محاورہ ہے نا..... "بزرگوں کی مٹی میں جان ڈالنا" یہ کام ہم کم کم کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں اور بہت سے کام ہیں۔ اور ہمارے ہاں بزرگوں کے اور بہت سے مصارف ہیں۔ اس ضمن میں اقبال نے جواب شکوہ میں بڑے بلیغ اور بڑے صریح اشارے کئے ہیں۔ مثلاً..... سچ کہا تے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو!..... تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟.....

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

اور پھر وہ شعر جو گویا حرف آخر ہے.....

تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

لیکن اسے کیا کیجئے کہ ہمارا اپنے سلف صالحین سے رشتہ اب ایسا ہی ہے۔

کتاب..... "چراغ محمد" میرے سامنے کھلی پڑی ہے۔ اور میں مسلسل یہی سوچ رہا ہوں کہ..... علم روایتوں کے تراشیدہ لوگ تھے کیسے؟

کونسی روایت؟ کیسی روایت؟ وہی روایت، جو ہماری ضرورت تھی، ضرورت ہے اور ضرورت رہے گی..... بات کو اگر مختصر کیا جائے تو بارد گر اقبال کا سہارا لینا پڑے گا۔ وہ فرماتے ہیں.....

"دیوبند ایک ضرورت تھی۔ اس سے مقصود تھا ایک روایت کا تسلسل۔ وہ روایت جس سے ہماری تعلیم کا رشتہ ماضی سے قائم ہے"

اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) اسی دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ شیخ الحدیث تو ہم بہت سے دیکھتے، سنتے اور پڑھتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ حسین احمد مدنی اپنی مثال آپ تھے۔ وہ جہاد آزادی کے کارواں سالار تھے، بہادر تھے۔ نیک تھے۔ صاحب علم تھے۔ متبع سنت تھے۔ حلیم تھے۔ بردبار

تھے۔ متواضع تھے۔ لیکن ایسے نہیں جیسے ہم آپ تصور کرلیں گے۔ اس بہادری، اس نیکی، اس حلمیت، اس اتباع سنت، اس حلم اس بردباری اور اس تواضع کا تصور بھی بہت مشکل ہے۔ اتنا مشکل کہ کم از کم آج اس کی کوئی مثال ڈھونڈنا محال ہے۔ محال نہیں ناممکن ہے۔ جی ہاں……

"ہم ترستے ہیں کلی کو، وہ گلستاں بکنار"

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی کی وفات پر فرمایا تھا کہ

"سلف میں دو قسم کے بزرگ ہیں۔ ایک علوم شریعت میں ماہر اور باکمال اور دوسرے وہ جو علوم طریقت میں انتہائی مقام کو پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت مدنی ان اکابر میں سے تھے جو ظاہر و باطن دونوں کے جامع تھے اور صحیح معنوں میں شیخ الاسلام تھے۔ اور ان کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے تواضع وانکساری اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے استقلال اور استقامت ورثہ میں ملی تھی"

ایسے ہی ہوتے تھے ہمارے سلف صالحین! اللہ تعالیٰ قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ جیسے بزرگوں کو تادیر سلامت رکھے۔ تاکہ وہ اسی طرح بزرگوں کی مٹی میں جان ڈالتے رہیں۔ شاید یہ کتابیں اہل حق کے اخلاف و اصاغر میں بیداری اور زندگی کے کچھ آثار پیدا کرنے کا باعث ہوجائیں۔

بقیہ از ص ۵۴

× بچوں کی پیدائش کا اندراج پرائمری سکولوں میں ہوگا۔ (صوبائی محکمہ تعلیم)

کمائی کا نیا ذریعہ!

× والدین ڈش انٹینا پر بچوں کو صرف مثبت پروگرام دیکھنے دیں۔ (وسیم سجاد)

یعنی جب کوئی برہنہ پوز آئے تو بچے آنکھیں بند کرلیں اور والدین دیکھتے رہیں!

× ملک میں جمہوریت کے باوجود اکثر فیصلے کہیں اور ہوتے ہیں (رائے)

بوزنا کو رقص پہ کس بات کی میں داد دوں

ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارک باد دوں

مولانا ابوریحان سیالکوٹی

سبائی فتنہ

(حصہ اول)

قیمت 150 روپے

اہل سنت کے روپ میں رفض و سبائیت پھیلانے والے طبقہ کے خیالات کا علمی و تحقیقی محاسبہ
ایسی کتاب جس نے بعض نام نہاد تقدس مابوں کی حجلہ عروسی میں زلزلہ بپا کر دیا

بخاری اکیڈمی، مہربان کالونی ملتان۔

دعاء صحت

جانشین امیر شریعت کی شدید علالت

حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری دامت برکاتھم شدید علیل ہیں۔ اور اب ہسپتال سے گھر پر زیر علاج ہیں احباب ان کی صحت یابی کے لئے خاص طور پر دعاء کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالی انہیں صحت و سلامتی عطاء فرمائے اور ان کا سایہ ہم پر قائم رکھے (آمین)

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کے دو اہم خطبات

1۔ اسلام اور جمہوریت (کمیونٹی ہال گلاسگو برطانیہ ۱۹۸۵ء)

2۔ جمہوریت شرک ہے (جامع مسجد برمنگھم، برطانیہ ۱۹۸۷ء)

عنقریب شائع ہو رہے ہیں

(انشاء اللہ)

مرتب: مہدی معاویہ

مسافرین آخرت

* ممتاز خطیب و مبلغ مولانا قاری محمد حنیف ملتانی۔ عید الاضحیٰ کے روز ملتان میں رحلت فرما گئے۔ وہ کئی ماہ سے شدید علیل تھے اور مختلف عوارض میں مبتلا تھے۔ وہ تمام عمر تبلیغ اسلام میں سرگرم رہے اور ان کی تقریروں سے بے شمار لوگوں کو ہدایت ملی۔ واعظین کی جماعت میں وہ ایک منفرد شخصیت اور اسلوب کے مالک تھے۔

* جامع مسجد چیچاوطنی کے خطیب حافظ عبدالواحد صاحب گزشتہ ماہ انتقال کر گئے۔

* مجلس احرار اسلام گوجرانوالہ کے سرگرم کارکن محترم سعید بٹ صاحب ۳۱ مئی کو انتقال کر گئے۔ وہ ایک محنتی کارکن اور مخلص انسان تھے۔

* ملتان سے ہمارے کرم فرما محترم شیخ حبیب الرحمن بٹالوی کے ماموں ڈاکٹر عبدالرحیم (صدیقی) ۳۰ مئی کو شکر گڑھ ضلع نارووال میں انتقال کر گئے۔ وہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ اور ایک سچے مسلمان تھے۔ گزشتہ دنوں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور دو روز بعد انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف کرے اور حسنات قبول فرما کر مغفرت کا معاملہ فرمائے۔

* چیچاوطنی میں ہمارے مہربان رائے نیاز احمد صاحب کے جواں سال فرزند بھائی احمد عثمان خان گزشتہ دنوں کویت میں ٹریفک کے ایک حادثہ میں جاں بحق ہوگئے۔

* ملتان سے ہمارے رفیق فکر برادرم عزیز الرحمن سندھو کی پھوپھی صاحبہ گزشتہ دنوں رحلت فرما گئیں۔

* مدرسہ اسلامیہ فاروقیہ ملتان کے مہتمم اور تنظیم اہل سنت کے رہنما حضرت مولانا غلام قادر ۳ محرم کو طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ وہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ تمام عمر تبلیغ اسلام میں بتا دی۔ مولانا ایک سادہ اور درویش منش انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

اللہ تعالیٰ تمام مرحومین کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور ان کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔ لواحقین و پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اہل بیت اطہار سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبد اللہ والد ماجد

حضرت سیدہ آمنہ والدہ ماجدہ

صاحبزادے

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ◎ حضرت عبد اللہ (طاہر و طیب رض)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ (سب بچپن میں وفات پا گئے)

صاحبزادیاں

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نواسے

حضرت علی رض بن حضرت ابو العاص رض ○ حضرت عبد اللہ بن عثمان غنی رض

حضرت حسن رض بن حضرت علی مرتضیٰ رض ○ حضرت حسین رض بن حضرت علی رض

نواسیاں

سیدہ امامہ رض بنت حضرت ابو العاص رض زوجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

سیدہ ام کلثوم بنت حضرت علی رض زوجہ حضرت عمر فاروق رض

سیدہ زینب رض بنت حضرت علی رض زوجہ عبد اللہ بن جعفر رض

سیدہ رقیہ رض بنت حضرت علی رض (بچپن میں وفات پائی)

فرمان نبوی

مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ (ترمذی)

"جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ رض ہیں اس طریقے کے متبع ہی نجات پانے والے ہیں۔"

ازواج مطہرات رض یعنی امہات المومنین رض

1. سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بنت خویلد
2. سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ
3. سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق رض
4. سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عمر فاروق رض
5. سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ
6. سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بنت سہیل
7. سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش
8. سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حی ابن اخطب
9. سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان
10. سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث
11. سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث
12. سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
13. سیدہ ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

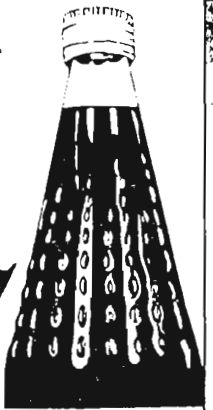

"ہے کوئی اِس جیسا شربت تو بتائیں؟"
قرشی
جامِ شیریں
"خالص قدرتی اجزاء کے عرقیات سے تیار۔ پانی میں فوراً حل ہو جاتا ہے اور طبیعت میں بھاری پن نہیں لاتا۔ اور ہاں... اس میں عرقِ صندل بھی شامل ہے جو گرمی میں ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا مزہ مجھے کیا سارے گھر کو بے حد پسند ہے!"
شربت
جامِ شیریں
100 فیصد خالص 100 فیصد تسکین

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی

رُوح افزا

تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے لیے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔

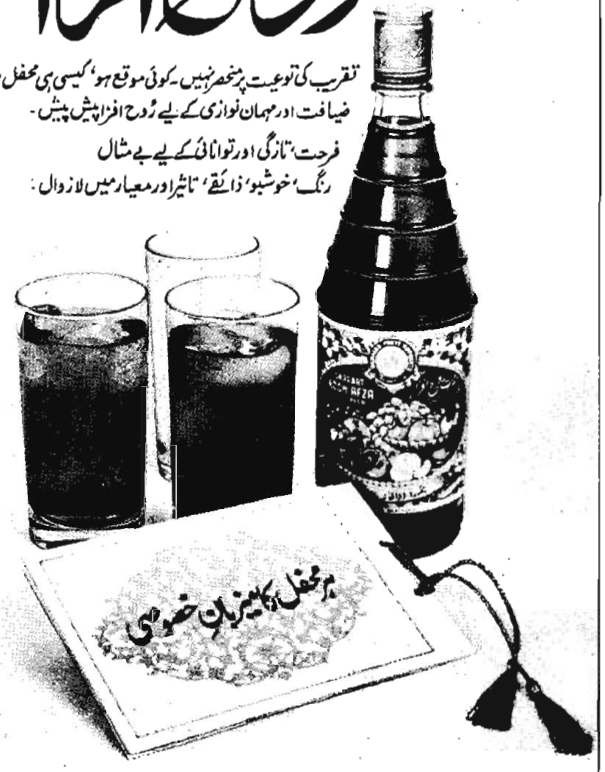

رُوح پاکستان۔ رُوح افزا
راحت جان۔ رُوح افزا

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان کا

تاریخ ساز

امیرِ شریعت نمبر

(حصہ دوئم)

شائع ہو گیا ہے۔

- اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب کے سوانح و افکار
- ایک تاریخ ❁ ایک دستاویز ❁ ایک داستان ❁ خاندانی حالات
- سیرت کے مجلا اوراق ❁ خطابتی معرکے ❁ سیاسی تذکرے ❁ بزم سے لیکر رزم منبر و محراب سے لیکر دار و رسن تک

نصف صدی کے ہنگاموں، جہادی معرکوں، تہذیبی محاربوں، مذہبی سازشوں اور علمی محاذ آرائیوں کی فضا میں ایک آواز ھدایت جو بصیرت، حریت اور بغاوت کا سرچشمہ تھی۔

- خوبصورت سہ رنگا سرورق **576** صفحات
- **قیمت 300 روپے**

مستقل سالانہ خریداروں کے لئے خاص رعایت

صرف **200** روپے پیشگی منی آرڈر بھیج کر نمبر حاصل کریں۔

ترسیلِ زر کے لئے: سید محمد کفیل بخاری

مدیر مسئول، ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت، دارِ بنی ھاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون: ۵۱۱۹۶۱